جامعُ الشَّواهِدُ

فی

دخولِ غیرِ المُسلمِ فی المَسَاجد

ابوالکلام آزاد مرحوم

مکتبہ ماحول، دہلی نمبر ۷

جامع الشواہد

جس میں

ادلہ شرعیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ
مسلمانوں کے اذن سے غیر مسلم کا مسجدوں
میں داخل ہونا جائز ہے اور مساجد
کی مجالس میں ان کو شریک کیا جا سکتا
ہے۔ ضمناً حقوق و آداب مساجد
اور آیۂ کریمہ انما المشرکون نجس فلا
یقربوا المسجد الحرام، الخ
کی تفسیر اور بعض دیگر مباحث مہمہ
بھی آگئے ہیں۔

بار اول　　　مئی ۱۹۶۰ء

قیمت　　　دو روپے

(ہم وطن پریس پٹودی ہاؤس دہلی)

فہرست

تمہید

الحمد للہ وحدہٗ۔ بعض اخبارات نے مسلمانان دہلی و کلکتہ کے اس طرز عمل کو شرعاً جائز قرار دیا ہے کہ مسجدوں کی مجالس میں ہندوؤں کو بھی شریک کیا گیا، اور تقریر کرنے کی اجازت دی گئی، دہلی کے مسلمان سب سے زیادہ نشانہ ملامت ہیں کہ انہوں نے سوامی شردھانند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی۔ ان اخبارات نے اس فعل کو نہ صرف ناجائز بتلایا ہے، بلکہ ایک سخت فتنہ و بدعت سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ مساجد کی توہین کی گئی۔ اور اسلامی عبادت گاہ کے احترام کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا۔ وغیر ذالک

جن صاحبوں نے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں، انہوں نے اس مقصد کیلئے بڑی تمہیدیں اٹھائی ہیں اور شاندار عنوانات اختیار کئے ہیں۔

مثلاً "مسلمانوں کو ہر حال میں چاہیئے کہ احکام شرعیہ کو مقدم رکھیں، اور جوش اتحاد میں ایسے بیخود نہ ہو جائیں کہ احکام شرعیہ سے بے پرواہ ہو جائیں۔"

ان شاندار داعظانہ تمہیدوں کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید مسلمانان دہلی و کلکتہ سے کوئی بڑی ہی خلاف ورزی احکام شرعیہ کی ہو گئی۔ اور اب اس پر ماتم کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس دور فتن و بدعات میں اگر مسلمانوں کی کسی جماعت نے کوئی بہتر سے بہتر کام کیا ہے،

خود اصل واقعہ بھی غلط سمجھا گیا ہے، جامع مسجد کے جلسے کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ سوامی شردھانند نے ممبر پر کھڑے ہوکر تقریر کی اور ممبر کو لوگوں نے ممبر جمعہ سمجھ لیا جو مسجدوں میں ہوتا ہے۔ حالانکہ ممبر سے مقصود مکبّر کا چبوترہ ہے۔ جو صحنِ مسجد میں ہے، اور اس پر ممبر مصطلحہ مساجد کا اطلاق کسی طرح درست نہیں۔ یہ چبوترہ بڑی بڑی مسجدوں میں بنایا جاتا ہے تاکہ تکبیرات انتقال کو ایک بلند مقام سے دہرایا جا سکے۔ پھر اگر اس چبوترہ پر ایک غیر مسلم دوست نے مسلمانوں کی اجازت سے کھڑے ہوکر تقریر کی تو اس میں شرعاً کیا قباحت لازم آئی ؟

ومن ادعیٰ خلافہ فعلیہ البیان

رہا اصل مسئلہ یعنی غیر مسلموں کا مسجدوں میں داخل ہونا۔ تو معترضین کو معلوم ہونا چاہیے کہ نہ صرف داخل ہی ہونا جائز ہے بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ اگر مصالح مقصود ہوں تو ان کو مسجد میں عارضی طور پر بطور مہمان کے ٹھہرانا بھی جائز ہے۔ اور مسلمانوں کا جو امام یا مسلمانوں کی جو جماعت رعایت مصالح آخری کے ساتھ ایسا کرتی ہیں۔ وہ ٹھیک ٹھیک اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتی ہے، جو صاحب شریعۃ صلعم نے امتہ کو دکھلایا ہے۔

فخیر الھدی ھدی محمدؐ وشر الامور محدثاتہا

ابوالکلام آزاد

تو وہ یہی ایک کام ہے کہ مقاصد صالحہ سے مسجدوں میں مجالس منعقد کیں۔ اور اپنے غیر مذہب ہمسایوں اور حلیفوں یعنی ہندوؤں کو بھی اس مقصد سے ان میں شریک کیا۔ جس مقصد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مذہب کے صلح پسندوں اور دوستوں کو مسجد میں بلاتے اور ٹھہراتے تھے۔ افتا بغیر علم کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ جو فعل مستحسن اور ہدی نبوۃ سے ماخوذ ہے۔ اس کو بدعت قرار دیا جا رہا ہے اور اس طرح کی بدعتیں علانیہ مسجدوں میں ہو رہی ہیں۔ مثلاً انعقاد مراسم و مجالس بدعیہ۔

ورفع الصوت وبیع وشراء فی المسجد وهجوم مساکین وسائلین وصرج فی الجماعة وسکونته نساق وتارکین صلوٰة وصلاتان معا وغیر ذلك۔

ان کو کوئی نہیں روکتا، بلکہ بہت سے مدعیانِ علم ہیں جو ان کو عین سنت سمجھ رہے ہیں، احکام شرعیہ کی تقدیم و پابندی تو عین مطلوب و مقصود ہے لیکن اس کے وعظ کا استعمال صحیح موقعہ پر ہونا چاہیئے۔ ان حضرات کو سب سے پہلے اپنی نسبت فیصلہ کرنا چاہیئے تھا کہ کہیں وہ خود تو حدود شرع سے متجاوز نہیں ہو رہے ہیں۔ ؟ شریعت کی پابندی کے معنی صرف یہی ہیں کہ شریعت کی پابندی کا نام شریعت نہیں ہے۔

مگر ایک واقعہ بھی ایسا موجود نہیں، جس سے ثابت کیا جا سکے کہ آپ نے کسی غیر مسلم کو صرف اس بنا پر مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ آپ کے زمانہ میں۔ اور آپ کے بعد خلیفہ دومؓ تک تمام عمارتوں کا کام مسجد نبوی ہی دیتی تھی، اور غیر مسلم اقوام و قبائل کے جسقدر وفد (ڈیپوٹیشن) اور سفراء آتے تھے وہ یا تو مسجد میں ٹھہرائے جاتے تھے یا شہر کے مسلمانوں کے ہاں۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سرکاری مہمان سرا بنائی۔ جیساکہ مقریزی اور عسکری نے لکھا ہے اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں تشریح کی ہے کہ مدینہ کی مہمانسرائے ۱۷ھ میں حضرت عمر فاروق کے حکم سے تعمیر ہوئی۔

واقعہ وفد نجران

ازانجملہ وفد نجران کا جو واقعہ ہے جو سماح وسیرۃ میں بہ تفصیل موجود ہے اور جس کی نسبت سورۂ آل عمران کی آیات سامعہ اہل کتاب بالاتفاق نازل ہوئیں۔ نجران (یمن) میں عیسائی آباد تھے۔ اسلام کا پیام دعوۃ پہنچا تو آمد و رفت شروع کی۔ دونشرفلم جس روز آیا تو اتوار کا دن تھا اور شام قریب تھی مسجد نبوی میں پہنچے تو انہوں نے چاہا کہ پہلے اپنی نماز ادا کرلیں۔ بعض مسلمانوں پر یہ بات ناگوار گذری کہ اسلام کی عبادت گاہ میں عیسائیوں کو مسیحی عبادت کی اجازت کیوں ہو؟ انہوں نے روکنا چاہا۔ لیکن آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ مت روکو نماز پڑھنے دو، چنانچہ وفد کے تمام عیسائیوں نے پورب کی طرف منہ کرکے

مسجد نبوی میں غیر مسلموں کا داخل ہونا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر مجالس اور صحبتیں مسجد نبوی ہی میں منعقد ہوتی تھیں، بسا اوقات غیر مسلم آتے تھے اور بلا کسی روک ٹوک کے ان صحبتوں میں شریک ہوتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارک مسجد سے متصل تھا۔ جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ان کو بعض اوقات مسجد نبوی میں آپ کا انتظار کرنا پڑتا تھا، اور ان لوگوں میں غیر مسلم بھی ہوتے تھے، یہ امور ضمناً متعدد روایات سے مستنبط ہوتے ہیں، آپ سے بعض یہودی قرض داروں نے مسجد میں آکر تقاضا کیا ہے۔ اور آپ نے اپنے حلم و خلق کی وجہ سے ان کے حق طلب و تقاضا کو تسلیم فرمایا ہے۔ غیر مسلم اقوام سے پولیٹکل علائق، سفراء کا ایاب و ذہاب معاہدہ مواثیق کی مجالس شوریٰ عرائض و شکایت مسلمین و غیر مسلمین یہود مدینہ اور مشرکین اطراف و جوانب سے پولیٹیکل تعلقات کی گفت و شنید یہ اور اسی طرح کے تمام معاملات مسجد نبوی ہی میں طے پاتے تھے۔ خود مسلمانوں کو آپ نے مسجد کے متعلق متعدد معاملات میں تنبیہ فرمائی اور انہی سے احکام احترام و حقوق مسجد مستنبط ہوئے۔

کوئی کام کیا اور چل دیئے۔ بایں ہمہ آپ نے اجازت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ اپنی نمایاں اور ممتاز شکل میں بھی احترام مسجد کے خلاف نہ تھا ورنہ آپ ضرور روکتے اور ظاہر ہے کہ خلاف کیوں ہوتا۔ اسلام قیام عبادت کے لئے آیا تھا۔ نہ کہ منع عبادت کے لئے۔ یہود و نصاریٰ پر سب سے بڑا الزام تو اس نے یہی لگایا کہ رسمی عبادت کرتے ہیں۔ مگر وہ شے جس کا نام "قیام عبادت" ہے مفقود ہو گئی ہے۔ حافظ ابن قیم نے اپنی عادت کے مطابق اس واقعہ کے فقہ پر بھی بحث کی ہے۔

نقیها جواز دخول اهل الکتاب مساجد المسلمین وفیها تمکین اهل الکتاب من صلاتهم بحضرة المسلمین وفی مساجدهم ایضا اذا کان عارضا —— ولا یمکنوا من اعتیاد ذلك

(جلد دوم صفحہ ۳۹ مطبوعہ مصر)

رابعاً اس واقعہ سے ان مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہئے جو چند جزوی اختلافات کی بنا پر خود مسلمانوں کو اپنی مسجدوں میں آنے سے روکتے ہیں۔ اس کے لئے مقدمہ بازیاں کرتے ہیں اور

ومن اظلم ممن منع مساجد الله

کی وعید میں داخل ہوتے ہیں۔

عاذنا الله تعالی منه

نماز پڑھی۔ زاد المعاد میں ہے۔

ما قدم وفد نجران علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلوا علیہ مسجدہ بعد العصر فحانت صلاتہم فقاموا للصلوٰۃ فی المسجد فاراد الناس منعہم فقال رسول اللہ دعوھم فاستقبلوا المشرق فصلوا صلاتہم۔

اس واقعہ سے کئی باتیں ثابت ہوئیں۔

اولاً یہ کہ غیر مسلم مسجد میں بلائے جا سکتے ہیں۔ نجران کے وفد کے ارکان رومن کیتھولک عیسائی تھے مگر آنحضرت نے انہیں مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا۔

ثانیاً اگر کوئی غیر مسلم مسلمانوں کی مسجد میں اپنے طریق پر اللہ کی عبادت کرنا چاہے اور کوئی فعل محسوس و مشہود بت پرستی کا خلاف احترام مسجد نہ کرے تو شرعاً اس کو نہیں روکنا چاہیئے؛ الا یہ کہ اس سے کسی فساد و فتنہ یا عادۃ والتزام یا قبضہ و تمکین کا اندیشہ ہو، مسجد خدا کی عبادت کے لئے ہے۔ پس اس کا ہر بندہ عبادت کر سکتا ہے۔ لیکن شرک عبادت نہیں ہے۔ عبادت کی ضد ہے۔ اس لئے شرک و بت پرستی کی اجازت عبادت گاہ میں نہیں دی جا سکتی مسیحی نماز کے تین رکن ہیں۔ تلاوت، سجدہ، دعا، پس انہوں نے اپنے طریق پر یہی کیا ہوگا۔

ثالثاً روایات سے ثابت ہے کہ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے۔ ساٹھ آدمیوں کی جماعت اچھی خاصی جماعت ہے۔ نماز پڑھی ہوگی تو بہت نمایاں حالت ہوگی۔ کچھ یہ بات نہ تھی کہ ایک دو آدمیوں نے کسی گوشہ میں چپکے سے

اسی روایت کو بہ تغیر بعض الفاظ طبرانی نے بھی اوسط میں لیا ہے اور ابوداؤد نے بروایت حسن مرسلاً اس پر اس قدر زیادہ کی ہے۔

ان وفد ثقیف اتوا الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فضرب قبۃ فی المسجد لینظروا الی صلوٰۃ المسلمین فقیل لہٗ یارسول اللّٰہ انزلتھم فی المسجد وھم مشرکون؟ فقال ان الارض لاتنجس انما ینجس ابن آدم

چونکہ صاحب ہدایہ نے اس واقعہ سے جوازِ دخول پر استدلال کیا ہے اس لئے اس تخریج میں زیلعی نے تمام طرق حدیث جمع کر دیئے، اس وقت میرے پاس نہ نصب الرایہ ہے اور نہ حافظ عسقلانی کی درایہ، لیکن اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو عطیہ بن سفیان کی روایت میں ہے کہ :-

"قدم وفد ثقیف فی رمضان فضرب لھم قبہ فی المسجد"

یعنی یہ وفد رمضان میں آیا تھا۔ پس اس کے قیام کے لئے آنحضرت صلعم نے ایک خیمہ مسجد نبوی میں نصب کرا دیا۔

اس واقعہ میں متعدد امور قابل ذکر ہیں۔

اولاً ـــ جب یہ وفد آیا تو مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت سے درخواست کی کہ مجھے ان کے ٹھہرانے اور خدمت کرنے کا موقعہ دیا جائے۔

واقعہ وفد ثقیف

اگر یہ کہا جائے کہ اس واقعہ سے صرف اہل کتاب کے لئے جواز ثابت ہوتا ہے نہ کہ غیر اہل کتاب غیر مسلموں کے لئے، تو یہ بھی صحیح نہیں، فتح مکہ کے بعد جب قبیلہ ثقیف کا وفد آیا تو آنحضرت صلعم نے ان کو نہ صرف مسجد میں آنے دیا۔ بلکہ بحیثیت مہمان کے مسجد میں ٹھہرایا اور چند گھنٹوں کی شرکت مجالس اور کئی دن کے مستقل قیام میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ اس وقت بھی بعض لوگوں کو اس پر وہی شبہ ہوا تھا جو آج لوگوں کو ہو رہا ہے۔ اور دنیا میں سمجھ کی طرح ناسمجھی کا ظہور بھی ہمیشہ یکساں رہا ہے۔ بعض مسلمانوں نے اعتراض کیا۔ انزلتھم فی المسجد وھم مشرکون

"آپ ان کو مسجد میں ٹھہراتے ہیں، حالانکہ وہ مشرک ہیں"؟

آپ نے فرمایا:۔

ان الارض لا تنجس

"زمین انسانوں کے مس و قیام سے ناپاک نہیں ہو جاتی۔"

اور مسجد زمین و مکان کے ایک مخصوص ٹکڑے ہی کا نام ہے۔

نجاست دل کی نجاست اور گندگی، اعتقاد کی گندگی ہے۔ ابوداؤد اور امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے (جو خود شریک وفد تھے) روایت کی ہے:۔

ان وفد ثقیف لما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انزلھم فی المسجد لیکون ارق قلوبھم"

کا ظلم وجور اس حد تک پہنچ گیا کہ آنحضرت کے لئے مکہ میں رہنا بھی دشوار ہو گیا تو، آپ نے طائف کا سفر کیا کہ شاید باہر کے قبائل حق کا ساتھ دیں، لیکن جب قبیلہ ثقیف کی بستی میں پہنچے تو اس عبد یا لیل اور اس کے دونوں بھائیوں نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ طائف میں دم لینے کی مہلت نہ دی۔ دعوت حق کا یہ جواب ملا کہ

"اما وجد اللہ احداً یرسلہ غیرک"

کیا خدا کو تمہارے سوا اور کوئی آدمی نہ ملا جس کو پیغمبر بنا کر بھیجتا۔

جب آپ واپس ہوئے تو بستی کے لڑکوں اور غلاموں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ تضحیک و تحقیر کریں۔ انہوں نے آپ پر کیچڑ پھینکا۔ اس جسم مقدس کو جس کے بقا پر تمام کرۂ ارضی کی سعادت و ہدایت کی بقا موقوف تھی۔ پتھروں کی بوچھاڑ سے زخمی کر دیا۔ پیشانی مبارک کا خون بہہ کر پائے مبارک کو رنگین کر رہا تھا اور یہ دعا وردِ زبان تھی۔

"اللھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی
وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین۔"

یعنی:۔ ؎

بجرمِ عشق توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سرِ بام آکہ خوش تماشائیست

اس کے بعد جنگ ہوازن و ثقیف میں جو واقعات پیش آئے کتب سیرۃ کے مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ جنگ ہوازن کے بعد عروہ بن مسعود ثقفی مدینہ

آپ نے فرمایا، ان کی خدمت و تکریم سے نہیں روکتا۔ لیکن ایسی جگہ ٹھہراؤ، جہاں سے وہ قرآن سن سکیں۔"

"فقال لا امنعك ان تکریم قومك ولکن انزلهم حیث یسمعون القرآن"

(زاد المعاد)

اس سے معلوم ہوا کہ ان کو مسجد میں ٹھہرانا کسی مجبوری و عذر کی بنا پر نہ تھا۔ بلکہ قصداً ٹھہرایا گیا۔ اور اس کی ایک خاص علت تھی یعنی سماع قرآن و نظارہ صلوۃ کی سیاقی بیانہ۔

ثانیاً یہ وفد فتح مکہ کے بعد ۹ھ میں آیا ہے اور یہ وہ وقت ہے کہ:-

"اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ورءایت لناس یدخلون فی دین اللہ افواجا۔"

کا پورا پورا ظہور ہو چکا ہے، پس یہ وقت غلبہ و شوکت کا تھا اور خود وفد عاجزانہ اور مفتوحانہ آ رہا تھا، یہ بات نہ تھی کہ عجز و درماندگی کی وجہ سے بہ نظر تالیف قلب و اعزاز و تکریم مخالف ان کو ٹھہرایا ہو۔

ثالثاً معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام ارکان مشرک تھے، ــــ اور مشرک بھی کیسے؟ اشد شدید اور بغض اسلام و صاحب اسلام کے دشمن اور تصلب فی الشرک والجاہلیۃ میں مشہور و معروف اس وفد کا سردار ابن عبد یالیل تھا اور اس شخص کا یہ حال ہے کہ ابو طالب کے انتقال کے بعد جب قریش مکہ

کی دیبی کو منہدم کر دیں۔ حضرت خالدؓ نے مندر کی زمین تک کھود ڈالی مگر یہ لوگ یہی کہتے رہے کہ دیبی کی بے حرمتی کا وبال آئے گا۔

ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ سخت بت پرست اور اسلام کی عداوت میں کس درجہ سنگ دل تھے، بایں ہمہ آنحضرت نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جس قلعہ طائف کو مسلمانوں کی منجنیق چالیس دن تک سنگباری کر کے بھی فتح نہ کر سکی۔ اس کے بسنے والوں کے دلوں کو آنحضرت صلعم کے خلق عظیم اسلام کی مسامحت، مسجد کے قیام اور اسلامی عبادت کے نظارہ نے چند گھنٹوں کے اندر فتح کر لیا۔ لوہے کی تلوار کو سپر پر روکا جاسکتا ہے۔ لیکن محبت کی تلوار کے لئے کوئی سپر نہیں۔ ؎

درسِ وفا اگر بود زمزمۂ محبتے

جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را

مسلم میں بروایت حضرت عائشہؓ ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلعم سے پوچھا۔

هل اتى عليك يوم اشد يوم احد؟

جنگ احد والے دن سے بھی بڑھ کر کوئی مصیبت و شدت کا دن آپ پر آیا ہے؟

فرمایا ہاں!

" يوم العقبة اذ عرضت نفسي على ابن عبد ياليل بن عبد كلال فلم يجبني الى ما اردت "

آیا اور مشرف بہ اسلام ہوا، مسلمان ہونے کے بعد تبلیغ حق کے عشق نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آنحضرت روکتے رہے اور وہ اپنی قوم کی محبت کے اعتماد پر طائف واپس ہوگیا اور دعوۃ اسلام شروع کردی لیکن ثقیف نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ ایک دن عین حالت نماز میں شہید کردیا، یہ حال تو اسلام کی عداوت کا تھا شرک وجاہلیت کے جمود وتصلب کا یہ حال تھا کہ جب فتح مکہ کے بعد یہ وفد آیا اور آنحضرت کے خلق عظیم کے اسلحہ محبت سے مسخر ہوکر اسلام لانے کے لئے آمادہ ہوگیا، تو گو اسلام کی صداقت کا اعتراف تھا، لیکن پھر بھی بت پرستی اور جاہلیت کا کانٹا دل سے نہیں نکلنا تھا، چاہتے تھے کہ اپنی شرطیں منوا کر مسلمان ہوں پہلے کہا کہ نماز کی پابندی سے ہم کو مستثنیٰ کردیجئے۔ فرمایا۔

لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع

"وہ دین ہی کیا جس میں خدا کے سامنے جھکنے والی پیشانی نہ ہو"

پھر کہا اچھا زنا کئے بغیر تو چارہ نہیں، ہماری قوم کے لوگ اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ فرمایا: کان فاحشۃ وساء سبیلا ○

پھر کہا سود چھوڑنا تو مشکل ہے، شراب تو ہماری غذا ہے۔ فرمایا۔

اتقوا اللہ و ذرو ما بقی من الربٰوا اور رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ،

جب ان ساری شرطوں میں سے کوئی نہ چلی تو آخر میں کہا کہ اچھا ساری باتیں منظور مگر ربہ کو ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں ڈھا سکتے۔ ربہ یعنی دیوی، رب کا صیغہ اس بات کو آنحضرت نے منظور کرلیا اور خالد بن ولیدؓ کو چند صحابہ کے ساتھ بھیجا کہ طائف

ثقیف کے لئے اللہ سے التجا کیجئے۔

فرمایا۔

اللھم ثقیفا وائت ھم "

خدایا ثقیف کے دلوں کو حق کے لئے کھول دے۔

چنانچہ وہی ہوا۔ جن لوگوں نے پتھر پھینکے تھے خود دوڑے ہوئے آئے کہ حق کے بے پناہ تیروں نے اپنے دلوں کو دونیم کر دیں۔ یہ تیر ان دشمنوں پر کہاں چلائے گئے تھے؟ میدانِ جنگ میں؟ نہیں خدا کی مقدس عبادت گاہ کے صحن میں۔

ضرب بو طھم خیمۃ فی المسجد

جن لوگوں نے منجنیق کے پتھروں سے اپنی دیواروں کو بچا لینے کا بندوبست کر لیا تھا، وہ ان تیروں سے اپنے دلوں کو نہ بچا سکے، عثمان بن ابی العاص راتوں کو چھپ چھپ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آتے اور قرآن سیکھتے۔ یہ تھا وہ ہدی نبوۃ اور اسوہ حسنہ رسالۃ جس نے فہی کالحجارۃ اور اشد قسوۃ کو بھی موم بنا کر پگھلا دیا، اور اس کے مقابلہ میں آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ ان کے ہمسائے اور شریک وطن عشق و محبت کے جوش سے بے خود ہو کر ان کی مسجدوں میں خود بخود دوڑے آتے ہیں۔ کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خود کہتے ہیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ تمہاری نمازیں پڑھیں گے۔ نماز جنازہ کی صفیں کھڑی ہوتی ہیں تو تسویہ صفوف کی خدمت خود انجام دیتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے پانی دے کر نمازیوں کو وضو کرا دیتے ہیں، مسجد کے چبوترہ پر کھڑے ہو کر پکارتے ہیں کہ ہم سب ایک خدا کے بندے ہیں اور ایک ہی گھرانے کے بھائی ہیں مگر مسلمان ہیں کہ نعمت الٰہی پر سجدۂ شکر بجا لاتے اور

وہ دن جب میں طائف گیا اور اعانت و قبول حق کی امید سے اپنی
دعوۃ ابن عبد یالیل کے سامنے پیش کی اور اس نے میری کچھ پرواہ
نہ کی وہ دن اُحد کے دن سے بھی میرے لئے اشد تھا۔ تن تنہا بے
یار و مددگار طائف کی گھاٹیوں میں پھر رہا تھا اور ایک انسان بھی
نہ تھا جو مجھ پر ہمدردی اور ترس کی نظر ڈالتا۔

آپ کے اس ارشاد سے اندازہ کرو کہ ثقیف نے آپ کے ساتھ کیسا ظالمانہ
و وحشیانہ سلوک کیا تھا کہ اپنی ساری زندگی سے ان مصائب عظیمہ میں جو دعوت الی
الحق کی راہ میں پیش آئے، طائف کی گھاٹیوں والی مصیبت کو اشد فرمایا۔ اسی روایت
میں ہے کہ باوجود تمام مظالم و شدائد کے آپ نے فرمایا تھا:۔

ارجو ان یخرج اللہ من اصلابھم من یعبد اللہ
وحدہ لا یشرک بہ شیئا۔"

اس پر بھی میں ان لوگوں کے لئے بد دعا نہیں کرونگا میں نے صدائے
حق کا بیج ڈال دیا ہے اور آج نہیں تو کل پھل لائے گا، یہ لوگ اگر
بت پرستی پر مٹے ہوئے ہیں تو ان کی نسل سے وہ لوگ پیدا ہوں
گے جو حق کو قبول کریں گے اور اللہ کے سوا ان کی کوئی
پرستش نہ ہو گی۔

غزوہ طائف میں جب قلعہ مسخر نہ ہوا اور مختلف مصالح مقتضی ہوئے
کہ حصار اٹھالیا جائے لوگوں نے کہا۔

ادع اللہ علی ثقیف"

وفد ثقیف کے قیام فی المسجد کی تفصیل

وفد ثقیف کی روایات پر غور کرو۔ مسجد میں ٹھہرانے کی علت کیا بتائی گئی؟ یہ وہ تعلیل نہیں ہے جو تعلیل باطل ہے۔

یعنی:۔ تحکم بالظن والا اسے اور حصہ تعلیل بالقیاس نہیں بلکہ یہ وہ تعلیل ہے جو خود شارع نے بتلا دی۔ مغیرہ کو کہا کہ وفد کی تکریم سے نہیں روکنا لیکن۔

" انزلهم حيث يسمعون القرآن "

اور ابو داؤد احمد وطبرانی کی روایت میں ہے

" ليكون ارق لقلوبهم "

اور ایک روایت میں ہے

لكي يسمعوا القرآن ويروا الناس اذا صلوا (ابن ہشام) (ابن ہشام)

یعنی وفد کو مسجد میں اس لئے ٹھہرایا کہ وہ اسلام کے محاسن سے واقف ہوسکیں، قرآن پاک کی صدائیں ان کے کانوں میں پڑیں مسلمانوں کو نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں اور توحید کی سچی اور فطری عبادت کی خوبیاں ان کے دلوں میں راہ پیدا کریں۔ اس ایک بات سے بے شمار فروعات تبلیغ اسلام اور جزئیات طریق اصلاح اقوام و امم مستنبط ہوتے ہیں جن کو نہایت تفصیل سے رسالہ دعوت تبلیغ اسلام میں لکھ چکا ہوں جو مجلہ تبلیغ قیام رانچی سے ہے از انجملہ یہ کہ اسلام کو اپنی صداقت وحقیقت کی طاقت پر پورا بھروسہ ہے اور قانون الٰہی یہ ہے کہ ہر قوی ضعیف کو اپنی طرف کھینچتا اور ہر طاقت کمزور پر چھا جاتی ہے

آنے والوں کو اور زیادہ اپنی طرف کھینچنے کی جگہ ناک بھوں چڑھا رہے ہیں کہ ہماری مسجد غیروں کی چھوت سے بے احترام ہوگئی، غور کرو۔ پہلے کیا حالت تھی، اور اب کیا حالت ہے؛ جب حالت میں انقلاب ہوا تو نتائج میں بھی انقلاب لازمی ہے ؎

سادت مشرقیہ و سیرت مغرب
مشتاق ہیں مشرق و مغرب

مسلمانوں کا طرزِ عمل اور اسکے نتائج

حقیقت یہ ہے کہ آج اسلام کی اشاعت میں سب سے بڑی روک مسلمانوں کا یہی طرزِ عمل ہے اور یہ نتیجہ ہے قرآن سنت کے علم و عمل حق سے بُعد اور مہدی نبوت سے جہل و غفلت کا، یا بالفاظ مختصر علمار حق راسخین فی العلم کے فقدان کا۔ افسوس خود مسلمانوں کو اسلام کی قوت و صداقت پر بھروسہ نہ رہا، نادان سمجھتے ہیں کہ دوسروں سے اگر ہم ملیں گے تو ہم ان میں جذب ہو جائیں گے، ان کو اپنے میں جذب نہیں کر سکیں گے۔ اور سچ یہ ہے کہ اس وہم فاسد سے بڑھکر اور کوئی خیال اسلام کے لئے نقصان دہ نہیں ہوسکتا۔ اگر مسلمانوں کے پاس لوہا نہیں بلکہ مقناطیس ہے تو مقناطیس اور لوہے کا جب سامنا ہوگا نتیجہ صرف یہی نکلے گا کہ لوہا مقناطیس کی طرف کھینچے گا؛ یہ کیا مصیبت ہے کہ ہر بات میں اللہ اور اس کا دین حق کی نسبت سوءظن الجاہلیت، اور ہر معاملے میں خود اپنے نفس پر

تجلّم وتشہد و علی انفسہم شہادت بطلان!
وضعف و ہلاکتہ۔ فالی اللہ المشتکی ثم الی اللہ المشتکی

اور یہی معنی ہیں اس آیۃ وافت الہا کے کہ:۔

اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من تکون لہ عاقبۃ الدار

اور یہ کہ:۔

انہ لا یفلح الظلمون اور ان اللہ لا یھدی القوم الفاسقین — وامثال ھذا فی الکتاب والسنۃ۔

اس اصل الاصول کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے اپنے عقائد، اعمال، امکنہ اور مراسم و اجتماعات میں دوسرے مذہبوں کی طرح راز اور مخفی بات نہیں رکھی اس کی ساری باتیں دوپہر کے سورج کی طرح کھلی اور چمکیلی ہیں۔ اس کی عبادت گاہوں میں کوئی بھید نہیں جس کے کھل جانے کا اس کو ڈر ہو، دل اور روح کو چھوڑ کر اس نے زمین اور مٹی کو کوئی ایسی پاکی اور ستھرائی نہیں بنائی ہے، جو جسم و وجود اور اس کے سایہ کی چھوت سے ناپاک ہو جائے وہ ایک بے باک طاقت اور کامل حسن کی طرح سب کو دعوت دیتا اور بلاتا ہے کہ آئیں دیکھیں اور مفتون ہوں۔ اس کی صداقت کی دعوت اس کی ہر چیز میں ہے، صرف چند چنے ہوئے واعظوں کی بولیوں ہی میں نہیں، ایک مسلمان کا وجود یکسر دعوت و وعظ ہے۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہو ایک مسجد اور اس کی سادہ اور بے نقش و اشکال دیواریں مجسم واعظ و حق ہیں۔ جبکہ امام قرآن پڑھ رہا ہو اس کے نمازیوں کی صفوں کے نظارۂ وحدت سے بڑھ کر کوئی خطبہ تبلیغ اور درس و دلائل نہیں جبکہ ایک ہی خدا کے بندے بنیان مرصوص کی طرح کاندھے سے کاندھا

قوت سبب فاعلیہ ہے اور کمزوری میں انفعال اور قوت وضعف میں اعتبار کیفیت کا ہے نہ کہ محض کمیت کا۔ اس قانون جذب و انجذاب فعل و انفعال وجلب و انجلاب پر کارخانہ وجود ہستی کے تمام حوادث و اعمال کا دارومدار ہے، اور یہ قانون مادہ و جسم کی طرح تمام معقولات اور معنویات میں بھی ہو بہو وہی جاری وساری ہے۔ پس اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ قوت ہے، طاقت ہے، اصلح ہے۔ امثل ہے، اس لئے جب کبھی اسلام اور غیر اسلام میں تقرب ہوگا تو اسلام اپنے ماسویٰ کو کھینچے گا، اور اپنے میں جذب کرے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اسلام کو غیر اسلام اپنے میں جذب کرے۔ اگر ایسا ہو تو قانون الٰہی باطل ہو جائے، اور اگر یہ قانون باطل ہو تو تمام نظام درہم برہم ہو جائے یہی معنی نہیں اس آیہ کریمہ کے کہ

" ولو اتبع الحق اھوا ئھم لفسدت السمٰوات والارض

اور یہی معنی ہیں۔

لیظھرہ علی الدین کلہ

کے جس کی تفسیر میں لوگوں کو کیا کیا حیرانیاں نہیں ہوئیں حالانکہ بات بالکل صاف اور قدرتی تھی، اس عالم میں بقا صرف اصلح کے لئے ہے اور بالآخر تمام اصلح عقائد و اعمال کو مٹ جانا ہے۔ والعاقبۃ للمتقین اور فیصلہ حق و باطل کی یہی سب سے بڑی شہادت ہے۔

کر سکتا ہے، اس کو صرف خدا کا سچا ایمان اور راستی کا کامل عشق پاک کر سکتا ہے سوا انسانوں پر اس کی راہیں بند نہ کرو۔

اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہے

جہاں تک مکان اور عمارت کا تعلق ہے اسلام کی دینی عمارت صرف مسجد ہے۔ اور کوئی نہیں بس اگر اسلام غیروں کو قبول کرنا چاہتا ہے تو مسجد ہی میں قبول کرنا پڑے گا۔ آج اگر ہمارے ہندو بھائی خود اپنی محبت اور پیار سے ہماری مسجدوں میں آتے ہیں تو یہ وہ چیز ہے جس کی خود ہم کو آرزو کرنی تھی۔ اور جس کو اول دن ہی سے شروع ہو جانا تھا۔ کاش اگر ایسا ہوتا تو ہندوستان میں مسلمان کا نو۹ صدیوں سے مستقل قیام بے اثر ثابت نہ ہوتا، اور آج ہمارے ملک کے سارے تفرقے مٹ گئے ہوتے ہیں جب رانچی میں نیا نیا آیا اور جامع مسجد میں جمعہ کے خطبوں کا سلسلہ شروع ہوا تو شہر کے بہت سے تعلیم یافتہ ہندوؤں اور وکلاء وغیرہ کو تقریر سننے کا شوق ہوا اور انہوں نے کہلایا کہ کوئی ایسی صورت اختیار کیجئے کہ ہم بھی تقریر سن سکیں میں نے جواب دیا کہ نظر بندی کی قیود کی وجہ سے عام مجالس کا انعقاد آپ لوگوں کے لئے موجب مشکلات ہوگا، اگر شوق ہے تو مسجد میں کیوں نہیں آتے؟ اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا کہ مسجد میں عین جمعہ کے دن ان کے مسجد میں آنے اور ایک مناسب خطبہ سننے کا انتظام کر دیا۔ اس کے بعد انجمن اسلامیہ قائم ہوئی اور اس کی تمام مجالس بھی مسجد ہی میں منعقد ہوتی رہیں۔ ان میں بھی تمام ہندو شریک ہوتے رہے، صرف اتنی سی بات سے جو نتائج حسنہ پیدا ہوئے وہ شاید برسوں کے

جو ٹوٹے پھوٹے ہوں اور خدا کی قائم کی ہوئی انسانی اخوت کو مجسم

یشد بعضہ بعضا کتشبیک الاصابع

دکھلا رہے ہوں بس وہ انسانوں کو اپنی ہر بات دکھانا اور ہر مقام پر بلانا اور ہر راہ میں اپنے سے جوڑنا، اور ہر مشکل میں اپنے سے قریب کرنا چاہتا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ جو اس کے قریب ہوگا، بالآخر اس میں جذب ہو جائے گا۔ قرب واتحاد میں اس کے لئے خوف نہیں ہے کہ وہ غیروں سے بھاگے اور الگ رہے بلکہ غیروں کے لئے انجذاب وانفعال ہے جس کے لئے ان کو ڈرنا اور بھاگنا چاہیئے۔ اس کا سارا رونا تو یہی ہے کہ لوگ اس کی سنتے نہیں اس کو دیکھتے نہیں، اس میں آتے نہیں اس کی طرف گردن موڑتے نہیں۔

لووا رءوسهم ورأيتهم يصدون وهم مستكبرون ○

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کے بندے اس کی طرف پیار اور اخلاق سے بڑھیں اور وہ ان پر اپنا گھر بند کر دے کہ تمہارے اندر آنے سے میرے گھر کی تقدیس کو بٹہ لگ جائے گا؟ مسجدوں کا اصلی احترام یہی ہے کہ اس میں انسانوں کی بھلائی کے لئے انسانوں کا اجتماع ہو۔ اسلام نوع انسانی کی عظمت و احترام کے لئے آیا ہے، نہ کہ تذلیل و تحقیر کے لئے، بس وہ کسی انسان کو بہ حیثیت ایک انسان نجس نہیں قرار دیتا جس کی چھوت سے مٹی اور اینٹ ناپاک ہو جائے۔ نجاست انسانوں کے جسم میں ہوتی تو دریا کا پانی اس کو دھو دیتا اور انسان کا بنایا ہوا کپڑا پونچھ دیتا۔ مگر افسوس وہ دل اور عقل کی گندگی ہے۔ جس پر نہ تو پانی بہایا جا سکتا ہے اور نہ کوئی ہاتھ صاف

ے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک وہ مسجد ہی میں رہا تیسرے دن
آنحضرت صلعم نے بلا کسی شرط کے رہا کر دیا۔

امام بخاری اسی روایت کو زیادہ تفصیل وطویل سے کتاب المغازی
میں بھی لائے ہیں۔

وفيه انه صلعم على ثمامه ثلاث مرات و
هو مربوط في المسجد وانما امر بالملاقة
في اليوم الثالث وكذا اخرجه مسلم
وغيره وخرج ابن اسحاق في المغازي
من هذا الوجه ان النبي صلعم هو الذي
امرهم بربط قاله ابن حجر في الفتح

(جلد ا صفحہ ۴۶۲)

مگر اس خلق عظیم کا اس پر ایسا اثر پڑا کہ آزاد ہونے کے بعد خود واپس آگیا
کہ مسجد کے ستون کی جگہ اب دین حق کے ایمان و اعتقاد کی زنجیروں سے ہمیشہ
کے لئے وابستہ کر دیا جائے! امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں ایک
خاص باب اس عنوان کا ترجمہ سے درج کیا ہے الاغتسال اذا اسلم و
ربط الاسير في المسجد وكان الشريح يامر الغريم
ان يحبس الى سارية المسجد

اور اس کے نیچے اسی واقعہ سے بروایت حضرت ابو ہریرہ استدلال کرتے
ہیں :-

وعظ و تبلیغ اور آج کل کے مجادلانہ مناظرات و مباحث سے بھی پیدا نہ ہوتے او
ان کا اندازہ ابھی باہر کے لوگ نہیں کر سکتے جب تک ایک بڑی طولانی سرگزشت
نہ سنائی جائے۔

خدا کی ساری زمین اسلام کے لئے مسجد ہے

منجملہ خصائص خمسہ اسلام کے یہ ہیں کہ :۔

"جعلت لی الارض مسجداً وطھوراً (بخاری)

خدا کی ساری زمین اسلام کے لئے مسجد ہے : ع

ہر جا کنیم سجدہ، بر آں آستاں رسد

جس اسلام کی اس وسیع اور غیر محدود عبادت گاہ کو ہزاروں قوموں اور
مذہبوں کا رہنا اور بسنا ناپاک نہ کر سکا اس کی چار دیواری کے اندر گھری ہوئی عبادت
گاہ کو غیر مسلموں کا داخل ہونا کب بے احترام کر سکتا ہے ؟

ثمامہ بن آثال کا واقعہ

اور منجملہ ادلہ جواز دخول مشرک فی المسجد کے ثمامہ بن آثال کا واقعہ ہے جو
صحیحین میں بہ تفصیل موجود ہے اور امام بخاری ؒ نے اپنے رابِ فقاہت کے مطابق
مختلف کتب و ابواب میں اس سے متعدد مسائل مہمہ کا استنباط کیا ہے۔ ثمامہ
نجد کا رئیس تھا۔ ہجرت کے پانچویں سال آنحضرت صلعم نے چند سوار نجد کی جانب بھیجے
وہ ثمامہ کو گرفتار کر لائے اور مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا تمام روایات کے

ولا يمنع من دخول المسجد جنبا بخلاف
المسلم ولا يتوقف جوازه ودخوله على اذن
مسلم عندنا ولو كان المسجد الحرام (ش ثالث احكام الذمی)

یعنی ذمی کا مسجد میں داخلہ ممنوع نہیں ہے اگرچہ جنبی ہو اور حنیفہؒ کے نزدیک
مسلمان کی اجازت بھی ضروری نہیں اگرچہ مسجد الحرام ہو۔ ہدایہ میں ہے۔

ولا باس بان يدخل اهل الذمه المسجد الحرام
(الى ان قال)
ولنا ما روى ان النبي صلعم انزل وفد ثقيف
فى مسجده وهم كفار ولان الخبث فى اعتقادهم
فلا يؤدى الى تلويث المسجد

(کتاب الکراہتہ: مسائل متفرقہ)

یعنی ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں اگر ذمی مسجد الحرام میں داخل ہوں،
برخلاف امام شافعیؒ کے عام مساجد میں دخول کو جائز قرار دیتے ہیں مگر حرام
میں نہیں، اور دلیل ہماری وفد ثقیف کا مسجد میں نزول ہے، حالانکہ وہ کفار
ہے اور اس لئے کہ مشرک کا جنب اس کے اعتقاد کا جنب ہے، جسم کا نہیں،
جس سے مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہو۔ قاضی زادہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال بعض المتاخرين ظاهره ان هذا دليلاً آخر
ولا وجه له لحق التعبير حرف التعليل ليكون اشارة
الى دفع ان يقال كيف انزلهم فى مسجده

بعث النبی صلعم خیلا قبل الجد فجاءت بہ جل من بنی حنیفۃ یقال لہ ثمامہ بن آثال فربطوہ بساریۃ من سواری المسجد الخ۔

پس اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ مشرک کو مسجد میں داخل کرنا جائز ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ثمامہ کو تین دن تک مسجد میں کیوں اسیر رکھا جاتا۔ خود آنحضرت صلعم اس کی اسیری کو دوسری جگہ منتقل فرما دیتے۔ چنانچہ امام بخاری رح نے جواز دخول مشرک پر اسی واقعہ سے استدلال کیا ہے۔ اور یہ اس فقیہ الامت کے کمال رفعت نظر و استنباط اور منتہا مرتبہ اجتہاد و فقاہت فی الدین کے شواہد میں سے ہے کتاب الصلوات میں ایک خاص باب اس عنوان سے قائم ہے

"دخول المشرک فی المسجد"

یعنی مشرک کا مسجد میں داخل ہونا، اور اس میں اسی واقعہ سے استدلال کیا ہے اور معلوم ہے کہ فقہ بخاری کے تراجم ابواب ہی میں ہے۔

عامہ مجتہدین اور احناف کی رائیں:

چنانچہ انہی ادلہ ستیہ کی بنا پر ائمہ مجتہدین و فقہا و امصار اس طرف گئے ہیں کہ غیر مسلموں کا مسجد میں داخل ہونا مسلمانوں کے اذن سے جائز ہے اور علی الخصوص حضرت امام ابوحنیفہ رح کا مذہب تو اس بارے میں متعلمین ہدایہ تک کو معلوم ہے، ان کے نزدیک مطلقاً بلا قید و استشار جائز ہے۔ اذن کی بھی شرط نہیں۔ اشباہ والنظائر میں ہے۔

قاضی ابن رشید ہدایہ میں لکھتے ہیں :۔ وجوزوا لحنفیۃ مطلقاً یعنی حنفیہ کے نزدیک مطلقاً ذمیوں کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے (ہدایۃ المجتہد) شہر میں ہے او میں جلاوطنی میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں اس لئے صفحہ کا حوالہ نہیں دے سکتا کتاب الکراہتہ دوسری جلد میں ہوگا۔

تشریح آیۃ انما المشرکون نجس مذہب احناف اور مسلمانوں کا عمل مستمر :۔

باقی رہی آیۃ قرآنی کہ :۔

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا

تو اس کے متعلق چند امور غور طلب ہیں :۔

اولاً یہ حکم خاص مسجد حرام (مکہ) کی نسبت ہے۔ یا تمام مساجد کے لئے؟ تو ائمہ اربعہ نے اتفاق کیا کہ خاص مسجد حرام کی نسبت ہے اور ظاہر آیۃ کا یہی مفہوم ہے۔

ثانیہ نجاست کی تحقیق کو نجاست سے یہاں مراد ظاہری ہے یا معنوی؟ تو تمام ائمہ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ نجاست سے مراد نجاست معنوی یعنی اعتقاد و شرک کی نجاست قلبی ہے نہ کہ نجاست جسمی۔ اور دلائل کتاب و سنت اس پر ناطق و شاہد اور احتیاج بیان و تفصیل ہیں۔

فذہب الجمہور من السلف والخلف و منہم اہل المذاہب الاربعۃ الی ان کان معنوی لیس بنجس الذات لان اللہ جل

وقد رمنهم الله يكونهم اعياسا ؟
اقول ليس ذالك بشئ انه لا شك في الصحة
ان يكون هذا دليلا آخر عقليا لنا فان الجنب
اذا كان في اعشارهم لا يؤدي الى تلويث المسجد
فلو يكون في دخولهم المسجد بأس۔
(الى ان قال) كما حكى انه عليه السلام انزلهم
في مسجده وضرب لهم خيمة قال الصحابة
قوم انجاس فقال عليه السلام ليس
على الارض من انجاسهم وانما
انجاسهم على انفسهم۔

تکملہ فتح القدیر جلد ۸ مصری (۱۴۲)

عبارت ہدایہ کا اشکال اور شارح کا جواب اور اولہ شافعیہ کی تحقیق آگے آئے
گی شارح نے نزول وفد ثقیف پر صحابہ کے اعتراض اور اس کے جواب کی روایت
جن الفاظ میں نقل کی ہے گو وہ الفاظ نہیں مگر معنی صحیح ہے اور اصلی روایات
اور بیگندر جکیں نقل اور حفظ استاد کا یہ وہ تسائل ہے جو جابجا خود صاحب ہدایہ
نے کیا ہے اور متاخرین فقہاء حنفیہ میں عینی اور ابن ہمام کے سوا سب کرتے ہیں۔

اس طرح درمختار میں ہے۔

وجاز دخول الذمي مسجدا ولو جنبا۔
(باب الکراہیۃ)

" الى على منهم ان يدخلوها مستولين على اهل الاسلام مستعلين وايضاً النفي تكريمي لا تكليفي

اور شامی میں ہے :۔

وحاصله انه خبر النهي في صورة النهي "

نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ حنفیہ کے نزدیک مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ غیر مسلموں کو مسجد حرام میں غلبہ و تمکین کے ساتھ داخل ہونے دیں لیکن اگر کسی خاص عارضی ضرورت سے کسی غیر مسلم کو آنے دیا جائے، مثلاً تعمیر عمارت یا تجارت یا غیر مسلم حکومتوں کے غیر مسلم سفراء کو جائز ہے لیکن ائمہ ثلاثہ اور جمہور سلف و خلف امتہ اور تعامل مستمرۂ اہل اسلام اس مذہب کے خلاف ہے اور عملاً اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ آیہ کریمہ

فلا يقربوا المسجد الحرام الخ

اپنے نفس منع دخول میں عام و مطلق اور ظاہر و غیر ماؤل ہے یعنی کسی حال میں بھی کوئی غیر مسلم مسجد حرام کے حدود میں داخل نہیں ہو سکتا اور اس مقام، اور اس مقام کے ایسے اطراف و حوالی کو جہاں کا داخلہ حرم کے داخلہ تک منجر ہو سکتا ہے ہمیشہ صرف اہل اسلام ہی کے لئے مخصوص و محفوظ رکھیں۔ حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں :۔

" فلا يجوز تمكين كافر من دخوله بحال فان دخلوا في حفية وجب اخراجه فان مات و دفن فيه نبش و اخراج ما لم يتغير هذا مذهب الشافعي وجوز ابو حنيفة دخولهم الحرام "

(مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۲ جلد ۲)

طعامہم۔ وثبت عن النبی صلعم فی ذلک
من فعلہ و قولہ وتقریرہ ما یفید
عدم نجاسۃ ذوالتہم فانہ اکل فی انیتہم
وشرب منہا وتوضأ منہا وانزلہم فی مسجد
وغیر ذلک من الادلۃ النقلیہ والعقلیۃ
ثالثاً ــــ فلا یقربوا المسجد الحرام الخ

سے مقصود کیا ہے؟ توحنیفہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ نہی تکوینی ہے۔ تکلیفی نہیں
وہ اس کو محمول کرتے ہیں۔ کفار کے ایسے قریب پر جو غلبہ و استیلاء کے ساتھ
یعنی آئندہ کفار کو مسجد حرام میں پاؤں جمانے کا موقعہ نہ دیا جائے۔ قریب کا
منع استیلاء و تمکین کے لئے کمال با ضابطہ ہے۔

وانما نہوا عن الاقتراب للمبالغۃ فی المومن
دخول الحرام ونہی المشرکین ان یقربوا راجع
الی نہی المسلمین عن تمکینہم من ذلک

تفسیر ابو السعود حنفی

اور ہدایہ میں ہے:۔

والآیۃ محمولۃ علی الحضور استیلاء واستعلاء

(باب الکراہیۃ)

اور حاشیہ عنایہ سعدی چلپی میں ہے:۔

غیر مسلم تاجر یا معمار وصناع یا طبیب وسفیر کو سخت ضرورت کے مواقع میں بھی حدود حرم کے اندر جانے کا موقع دیا گیا ہو، بلکہ ایک سے زیادہ واقعات اس کے شاہد تاریخ عہد عثمانیہ میں موجود ہیں،

اصل یہ ہے کہ دین حق کے قیام اور امت مسلمہ کے بقا کے لئے ضروری تھا کہ جس طرح تعلیم واحکام کو ہمیشہ کے لئے اوراق وصحف میں محفوظ کر دیا گیا (یعنی کتاب وسنت بحکم "اوتیت الکتاب ومثلہ معہ") اسی طرح باعتبار مکان کے بھی ایک مرکزی مقام ہمیشہ کے لئے ایسا مقرر کر دیا جاتا ہے جو صرف حق وپرستاران حق کے لئے مخصوص ہوتا اور وہاں کی فضاء ہدایت کی پاکی، شرک وفساد کی ناپاکی سے کبھی مکدر اور ملوث نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ نے ان بے شمار مصالح وحکم کی بنا پر (جو اپنے مقام پر معلوم ومنضبط ہیں) سرزمین حجاز کو اس غرض سے منتخب فرمایا اور یہی ناف زمین دنیا کی آخری دباقی ہدایت وسعادت کے لئے ایک مرکزی سرچشمہ ودرسگاہ کی حیثیت سے قائم کی گئی۔

ذلک تقدیر العزیز العلیم، پس ضروری تھا کہ اس کو صرف اسلام ہی کے لئے مخصوص کر دیا جاتا تاکہ کرۂ ارضی کے سخت سے سخت عہد فساد میں بھی ایک مرکز ومنبع ہدایت ہمیشہ قایم ومحفوظ رہے، درخت کی جڑ اگر سلامت رہے تو ٹہنیوں اور پتوں کے مرجھا جانے سے باغ ویران نہیں ہو سکتا، یہی معنی ہیں اس آیہ کریمہ کے کہ۔

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا اور جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیاما للناس۔ اور ومن دخلہ کان آمنا

اور چونکہ یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا جب تک اس میں کمال مبالغہ واہتمام نہ کیا

یعنی کسی حال میں جائز نہیں کہ غیر مسلم کو حدود حرم میں داخل ہونے دیا جائے اور اگر کوئی غیر مسلم مکہ چلا جائے اس کا اخراج واجب ہے اور اگر وہ مکہ میں مر جائے اور دفن بھی ہو جائے تو چاہیئے کہ قبر کھود دی جائے اور لاش نکال دی جائے اگر متغیر نہیں ہوئی ہے۔ انتہیٰ مویداس مذہب جمہور کی خود آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کی آخری وصیت اور حضرت عمرؓ کا بالتفاق و اجماع جمیع صحابہ واضح و صریح عمل ہے (کما یا ساقی) اور یہ کہنا کہ نہی تکوینی ہے تکلیفی نہیں اس بارے میں بالکل غیر مفید ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نہی اقراب میں کمال مبالغہ منع دخول کے لئے ہے، اور جب منع دخول میں مبالغہ ہوا تو ظاہر ہے کہ قرب کی ہر صورت وحالت اس نہی میں داخل ہوگی اور جب خود شریعت نے اس بارے میں مبالغہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ عملاً کمال و شدت منع اور مبالغہ در منع اقتراب مطلوب شارع ہے عربی میں کہیں گے۔

" لا اربنك ههنا

تو اس سے بھی سمجھا جائے گا کہ کسی حال میں بھی تم کو یہاں ہم نہیں دیکھ سکتے اردو میں کہیں گے۔

"تم اس جگہ کے پاس بھی نہ پھٹکو"

یعنی کسی حال میں تمہارا یہاں آنا ہمیں گوارا نہیں، اور اس میں شک نہیں کہ جمہور ہی کا مذہب اس بارے میں حق و قوی ہے اور اسی لئے تیرہ سو برس سے تمام اہل اسلام قرناً بعد قرن اسی پر عمل کر رہے ہیں عثمانی حکومت کا سرکاری مذہب حنفی ہے مگر معلوم ہے کہ انہوں نے بھی ایک دن کے لئے امام صاحب کے اس مذہب پر عمل نہیں کیا۔ اور ان کے تمام دور حکومت میں کوئی مثال اسکی نہیں ملتی کہ کسی

سے بھی اسی مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے مرض الموت
میں آخری وصیت جو نکلی وہ یہ تھی:۔

"اخرجوا الیھود و النصاری من جزیرۃ العرب،
صحیحین عن ابن عباس و عائشہ و ابی ھریرۃ"

اور:۔

"آخر ما تکلم بہ النبی صلعم لا یترک فی جزیرۃ العرب
دینان۔ و فی روایۃ لا یجمع دینان
فی جزیرۃ العرب"

اور اسی وصیت کی تعمیل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خیبر اور یمن کے یہود و نصاریٰ کو عرب سے خارج کر دیا، اور بلاد شام و سواد عراق میں آباد کرایا۔ حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں ایک قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں اہل کتاب کی تعداد تقریباً چالیس ہزار تھی اور یمن کی نسبت لکھا ہے کہ:۔

"ھم اھل نجران"

اور یہ جو کچھ کیا۔ تمام صحابہ کے مشورہ و اتفاق سے، اور اس سے صحابہ کا اجماع صحیح و کامل معنوں میں ثابت ہو گیا۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں اور حضرت عمرؓ نے اہل خیبر کی شرارتوں اور واقعہ عبد اللہ بن عمرؓ سے پہلے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تو معلوم ہے کہ تعمیل وصیت کے لئے ضروری تھا کہ تنفیذ وصیت پر تمکین حاصل ہو۔ حضرت ابوبکرؓ کو اہل ردت کے قتال وغیرہ مہمات نے مہلت نہ دی اور حضرت عمرؓ خلیفہ ہوتے ہی ایران و عراق اور

جائے کیونکہ طبائع انسانی تساہل پذیر وحیلہ جو ہیں اسلئے ناگزیر ہوا کہ نہ صرف غیر مسلموں کے قبضہ وتمکین کو بلکہ سرے سے ان کے قریب وجود ہی کو ہمیشہ کے لئے روک دیا جائے کیونکہ اگر آمد و رفت کا دروازہ کھلا رہے گا تو خصوصیت اسلام و اہل اسلام کی اہمیت باقی نہ رہے گی طبیعتیں اس کی متحمل اور خوگر ہو جائیں گی کہ غیر مسلموں کو بھی حرم میں مسلمانوں کی طرح موجود دیکھیں اور ایسا ہوا تو کل کو قبضہ واستیلا کا دروازہ بھی کھل جائے گا۔ اور طبیعتیں اس کو بھی گوارا کر لیں گی، اور معلوم ہے کہ منجملہ مہمات اصل شریعت کے ایک اصل عظیم یہ ہے کہ بلکہ بسا اوقات جو اہتمام وسائل و ذرائع کے سد باب میں بھی ملحوظ رہتا ہے۔ شریعت کے تمام احکام اور شارع کے تمام اعمال میں اس کے اشباہ و نظائر بکثرت موجود ہیں اور یہ منجملہ خصائص دین آخری کے ہے کہ صرف برائیوں ہی کو نہیں روکا بلکہ ان راہوں کو بھی بند کر دیا جو برائیوں تک پہنچا سکتی تھیں بس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ منع دخول غیر مسلم بلا تمکین واستیلاء فقہا کی اصطلاح میں لذاتہ نہیں ہے بلکہ بغیرہ ہے لیکن اس کے ممنوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ شریعت صرف فعالہ ہی کو نہیں روکنا چاہتی بلکہ ذرائع وفعالہ کو بھی روک دیتی ہے۔

غرضیکہ اس بارے میں حنفیہ کا مذہب بغایت ضعیف ہے اور قوی و مفتیٰ بھی ہے جو آئمہ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے کہ مسجد حرام میں غیر مسلم کو داخل ہونے دینا کسی حال اور کسی شکل میں بھی جائز نہیں اور اسی پر تیرہ سو برس سے مسلمانوں کا عمل ہے، گذشتہ ازاں ظاہر نص بھی مطلقاً منع پر ناطق ہے اور اصول میں طے پا چکا ہے کہ منطوق مفہوم پر مقدم ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ نص سنت اور عمل صحابہ

لئے محرک ہوا لیکن اصلی علت یہ نہیں ہو سکتی۔ بالفرض اگر تمام یہود، خیبر بغاوت کے لئے آمادہ بھی ہو گئے تھے، تو جلاوطن کر دینا کب مقتضاء عدل فاروقی ہو سکتا ہے؟ کیا حضرت عمرؓ کی وہ حکومت جس نے تخت کسریٰ کو ہمیشہ کے لئے الٹ دیا اور مصر کی رومانی حکومت کا چند ہفتوں کے اندر خاتمہ کر دیا، یہود خیبر کی سیاست و تنبیہ سے عاجز تھی؟ بہر حال حضرت عمرؓ نے باتفاق جمیع صحابہ جو کچھ کیا وہ دراصل اسی وصیت نبوی کی تعمیل تھی کہ

اخرجوا الیہود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب

اور جن لوگوں نے حسن و قبیح اشیاء کا معیار یورپ کے نام نہاد تہذیب و تمدن کو قرار نہیں دیا ہے، بلکہ حقیقت اور عقل صحیح و قیاس صالح کو، تو ان کو اس توجیہہ و تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔ سورۂ براۃ کی تفسیر میں اس مسئلہ کو بہ تفصیل لکھ چکا ہوں اور اس کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گا کہ یہ حکم شریعت مقتضاء عدل و انصاف کے عین مطابق ہے اور کسی تاویل کی ضرورت نہیں، چاہے تمدن و دنیا کے نام سے پیش کی جائے خواہ فلسفیانہ عجمی ثقاہت کے نام سے۔

کیا تیرہ سو برس کا تجربہ، اور صدیوں کے وقوعی نتائج و حوادث اس حکم قرآنی اور وصیت نبوی کی تفسیر کے لئے کافی نہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بے شمار مقامات بلکہ بڑے بڑے براعظموں اور اقلیموں پر غیروں کے قبضہ کی بنیاد استیلاء و تسلط سے نہیں بلکہ قیام و قرب اور آمد و رفت سے پڑی؟ پہلے دروازہ کھلا، قیام و سیاحت کا پھر تجارت کا، اور اس کے بعد رفتہ رفتہ "تاجروں" سیاحوں، پیشہ وروں محکومانہ متوطنوں نے حاکم و قاہر کی صورت اختیار کر لی، مصر میں بیشہ طبابت کے نام سے

شام کے مہمات عسکریہ میں مشغول ہو گئے۔ جب یہود خیبر کی شرارتوں نے خود مناسب موقع پیدا کر دیا، تو معاملہ انجام پایا، اور جس طرح مہمات احکام و شرائع شارع کے عہد میں بتدریج تکمیل کو پہنچے نہ کہ

بغتۃً و دفعۃً واحدۃً

اسی طرح ضروری تھا کہ مہمات ملکی و احکام متعلق تدابیر یا اسی شارع کے بعد عہد خلفاء راشدین میں بتدریج تکمیل کو پہنچیں، لیکن اس کمیے بعد کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ محض رائے و تخمین کی بنا پر نص صریح کا مقابلہ کرے، اور ظنی تعمیلات شخصیہ غیر موید بالنص سے نص قرآنی اور وصیہ نبوی کو رد کر دے۔ مولانا شبلی مرحوم نے الفاروق میں واقعہ اجلا اہل کتاب کی یہ توجیہہ کی ہے کہ یہود خیبر اور نصاریٰ نجران بغاوت کی تیاریاں کرتے تھے اس لئے مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے نکال دیا۔ مولانا مرحوم کو اس توجیہہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ وہ حضرت عمرؓ کے اعمال کو یورپ کے روحانی مذاق کے مطابق دکھلانا چاہیئے تھے اور چونکہ

"لا یترک فی جزیرۃ العرب دینان"

کا معاملہ ان کے خیال میں آجکل کی تہذیب و روشن خیالی کے خلاف تھا اور اس کی کوئی عقلی مصلحت و حکمت پیش نظر نہ تھی، اس لئے ناچار یہود خیبر کی شرارت اور واقعہ ابن عمرؓ مندرجہ نبوی کے معاملہ کو محض دفع بغاوت کا ایک سیاسی و عارضی واقعہ بنا دیا، جیسے واقعات یورپ کی تمام نہاد متمدن حکومتوں میں غیر مہذب رعایا کے ساتھ ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہود خیبر کی شرارت اور حضرت عبداللہ کو گرا دینا ایک ایسا واقعہ تھا جو اس معاملے کی تنقید و تکمیل کے

اور اس بارہ میں قاضی ابو یوسف رح کا مذہب اور حدیث صحیحین سے

اخرجوا الیہود والنصاریٰ

نے مقابلہ میں حدیث ابو عبیدہ بن الجراح سے استشہاد اور نص کے مقابلے میں اخراج کی علت و مصلحت خود قرار دینا اور اس کو امام کی رائے پر مفوض کرنا اور روایت بریدہ تسلمی کہ

فان ابوا فسلھم الجزیۃ فان اجابوک فاقبل منھم

اور اس سے استدلال تقریر مشرکین در حجاز بر بصورت ادا جزیہ وغیرہ ذالک تو ان میں سے کوئی دلیل بھی ایسی نہیں ہے جو نصوص صریحہ کتاب و سنت کے معارض ہو سکے، روایت ابو عبیدہ خود بغاوت مضطرب و لائق احتجاج نہیں اور آخر تکلم آنحضرت

اخرجوا الیہود والنصاریٰ

ہے جو ناسخ جمیع ماسبق کے لئے قاطع و صریح، اور نص کے مقابلہ میں کوئی قیاس مسموع نہیں اور خود ائمہ و فقہا نے اجماع کیا، بطلان تعلیل مصالح پر۔ اس لئے کہ تعلیل بمصالح قبول نہیں، تاوقتیکہ منضبط نہ ہو اور معلوم ہے کہ حکم و مصالح غیر منضبط اور اس طرح کی اکثر تعلیلات خیالیہ و رائیہ

"احجاب کلی زی ءِ برا یہ"

سے زیادہ وزن نہیں رکھتیں پس حاجت اطناب اور اپنے مقام پر مبحث صاف ہو چکا ہے۔ علی الخصوص تفسیر البیان میں۔

تقریب ہوگی، ہندوستان میں تجارت کے وسیلہ سے اور جواز دخول حرم کی جو صورتیں حنفیہ کی جانب سے بیان کی جا سکتی ہیں وہ بہتر سے بہتر اور محدود سے محدود شکل میں بھی ہو سکتی ہیں۔ پھر اگر

فلا یقربوا المسجد الحرام "

کے یہی معنی قرار دیے جائیں کہ صرف قرب بحالت استیلاء و تمکین ممنوع ہے۔ نفس قرب و تقریب ممنوع نہیں تو اس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ حرم پر غیر مسلموں کا قبضہ و تسلط تو ممنوع ہے مگر قبضہ و تسلط کا دروازہ کھولنا ممنوع نہیں پھر کیا ایسا اجتہاد تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

ولا معصوم حتی نادل له الشریعة و فترك نصوص الكتاب والسنة ولم یاذن الله ولا رسوله لاحد بهذه النصرة وما امرنا باتباع مذهب من المذاهب ولا رأی من آراء الرجال وارتكاب التحلات ستصحه ورضی الله عن مالك ابن انس حیث یقول ما من احد الا یوخذ من قوله ویترك الا صاحب هذا القبر صلی الله علیه وسلم

باقی رہا یہ کہنا کہ آیت لصیف مفید ہے۔

ایه وان احد من المشركین استجارك تاجره - یسمع كلام الله -

اور:-
ولان الجنب فی اعتقادھم فلا یودی الی
تلویث المسجد "

یعنی اگر کافر ناپاک ہے اور اس لئے اس کا داخل ہونا جائز نہیں تو اس میں مسجد
حرام کی کیا خصوصیت ہے؟ تمام مسجدوں میں ممنوع ہونا چاہیئے. حالانکہ خود امام شافعی
اس کے قائل نہیں. اور معلوم ہے کہ کفار کی اصلی نجاست اعتقاد کی نجاست ہے
نہ کہ جسم کی، انتہی، حالانکہ نہ تو امام شافعی کی یہ دلیل ہے اور تعلیل بالنجاست ہے
ان کا یہ مطلب ہے جو صاحب ہدایہ نے قرار دیا ہے. خود ہی ان کی جانب سے ایک
دلیل قیاساً قرار دے لی ہے، پھر خود اس کا رد کر دیا ہے اور خلافیات میں اس
طرح کے تسامحات صاحب ہدایہ سے اور مقامات پر بھی ہوئے ہیں جیسے جواز نکاح
متعہ کو حضرت امام مالک کی طرف منسوب کر دینا وغیرہ ذلک،
یہ کتاب آلام اور شرح مہذب اور شرح نودی موجود ہے اور متقدمین و
متاخرین شافعیہ کی ان سے زیادہ معتبر اور کون سی کتابیں ہو سکتی ہیں؟ امام
شافعی کا استدلال صرف نص قرانی :- فلا یقربوا المسجد الحرام
سے ہے جس نے خود ہی مسجد حرام کو خاص طور پر مخصوص و مستثنیٰ کر دیا. تمام مسجدوں
کے لئے ایسا حکم نہیں دیا اور اس ایک قاطع و ناطق دلیل ظاہر کے بعد اور
کسی دلیل کی ان کو ضرورت کیا تھی؟ بلاشبہ وہ منع دخول کی علت نجاست
کو قرار دیتے ہیں: اپنے قیاس و رائے سے نہیں بلکہ اس لئے کہ خود قرآن ہی
نے یہ تعلیل کر دی ہے،

امام شافعی کا مذہب اور صاحب ہدایہ کا تسامح

اسی بنا پر حضرت امام شافعیؒ نے اس بارہ میں مذہب تفصیلی اختیار کیا، یعنی غیر مسلموں کا عام مساجد میں داخل ہونا اذن اہلِ اسلام سے جائز ہے مگر مسجد حرام میں نہیں وہ مستثنیٰ ہے۔ خلافاً للحنفیہ

چنانچہ حافظ نوویؒ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

اما قوله تعالىٰ انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد فهو خاص بالحرم ونحن نقول لا يجوز ادخاله الحرم

(صفحہ ۲۳۶ مطبوعہ دہلی)

اور دلائل ان کے وہی ہیں جو اوپر گزر چکے، لیکن صاحب ہدایہ نے اس موقعہ پر سخت تسامح کیا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی عبارت میں اشکال پیدا ہوگیا جس کو قاضی زادہ نے دور کرنا چاہا۔ وہ لکھتے ہیں۔

ولان الكافر لا يخلو عن جنابة لانه لا يغتسل اغتساله يخرجه عنها والجنب يجنب المسجد

یعنی امام شافعی کی دلیل منع دخول کے لئے یہ ہے کہ کافر ناپاک ہے، کیونکہ وہ بوجہ غسل معتبر فی الشرع نہ کرنے کے کبھی جنابت سے خالی نہیں ہوتا۔ پھر اس دلیل کا جواب دیتے ہیں:۔

والتعليل بالنجاسة عام فينتظم المساجد كلها

یہی وجہ ہے کہ :-

و لان الخبث فی اعتقادھم " الخ

کے جملہ میں حرف تعلیل نے شارحین کو مشکلات میں ڈال دیا بعضوں نے کہا

" حق التعبیر حذف حرف التعلیل

اور قاضی زادہ کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں بلکہ یہ خود ایک دلیل مستقل عقلی

ہے اور چونکہ اس سے پہلے نزول وفد ثقیف کا ذکر کیا گیا ہے اور اس پر یہ شبہ وارد

ہوا تھا کہ :- کیف انزلھم فی مسجدھم کفار وقد

منھم اللہ بکونھم نجسا " ؟

تو مصنف نے اس کا جواب دیا کہ

لان الخبث فی اعتقادھم الخ

اس تشریح کی اس عبارت سے تائید نہیں ہوتی کیونکہ سلسلہ عبارت

ہدایہ یوں ہے :- دلنا ما روی ان النبی علیہ السلام انزل وفد

ثقیف فی مسجدھم کفار لان الخبث فی اعتقادھم "

پس ولان الخبث "

میں عطف اور تعلیل کا ہونا اس کو " ولان "

کے سلسلہ میں جوڑ رہا ہے ، اگر یہ کسی اعتراض مقدر و محذوف کا جواب ہوتا

تو عطف و تعلیل کا کیا موقعہ تھا ؟ اصل یہ ہے کہ ان تمام کاوشوں کی کچھ ضرورت

نہیں بات وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے ، صاحب ہدایہ اور فقہ حنیفہ کے

دلائل پر نظر تھی اس لئے انہوں نے اپنے قیاس سے انکی تعلیل بالنجاست کو نجاست

انما المشرکون نجس فلا یقربو المسجد الحرام

"انما" اور اس کے بعد حرف "نا" کا آنا اپنی دلالت میں ظاہر و ناطق ہے مگر وہ نجاست حسی مراد نہیں لیتے، اگر ایسا ہوتا تو ان کی مذہب میں کفار کی ملامت اور مواکلت اور مشاربت جائز نہ ہوتی، جیسا کہ امامیہ اور بعض ظاہریہ کے مذہب میں ہے اور معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہے پس وہ نجاست سے نجاست معنوی مراد لیتے ہیں جو عام مسجدوں اور مکانوں کو تو ناپاک نہیں کر سکتی لیکن مسجد حرام کا مرکز و ہدایت اور دار التوحید اس کے قرب مس کا متحمل نہیں، وہ اپنی فضا کو اس نجاست معنوی کی آمیزش سے ہمیشہ پاک اور بے میل رکھنا چاہتا ہے کہ تمام کرۂ ارضی میں کوئی ایک مرکزی مقام تو ہمیشہ توحید و ہدایت کے لئے مخصوص رہے پس امام شافعی نے اگر اس بارہ میں حنفیہ کے عموم و اطلاق کی جگہ مذہب تفصیل اختیار کیا اور عام مسجدیں دخول کی اجازت دیتے ہوئے مسجد حرام کو مستثنیٰ کر دیا، تو یہ مذہب نصوص کتاب وسنت اور قیاس صحیح و حکمت شرعی کے عین مطابق ہے اور ان کے رد میں یہ کہنا کہ

والتحلیل بالنجاسة عام

اور:-

ولان الخبث فی اعتقادھم فلا یؤدی الی تلویث المسجد"

بالکل بے کار بلکہ بے معنی ہے۔ قرآن نے جو تعلیل نجاست کی ہے، وہ عام نہیں ہے، مسجد حرام کے لئے خاص ہے اور خبث اعتقاد و عام مساجد کو ملوث نہیں کر سکتا البتہ مسجد حرام کی خالص اور بے مزج کفر پاکی کو ملوث کر دے گا۔

سب کا اتفاق ہے۔ اور حق وہی ہے جو ائمہ ثلاثہ و جمہور کا مذہب ہے کہ مدینہ بھی مثل حرم ہے اپنے تمام احکام و خصائص میں دلیل اس کی ایک سے زیادہ احادیث صحیحہ مرفوعہ ہیں۔ از انجملہ حدیث علی رضی اللہ عنہ بخاری و مسلم و حدیث سعد بن ابی وقاص و انس بن مالک و جابر بن عبد اللہ و ابی ہریرہ وغیرہم۔ حافظ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں

هذا الحديث صريح فى الدلالة لمذهب مالك الشافعى و احمد والجماهير فى حرم صيد المدينة و شجرها الماسبق ، وخالف فيه ابو حنيفة وقد ذكر ههنا مسلم فى صحيحه تحريمها مرفوعاً عن النبى صلعم من روايته على وسعد بن ابى وقاص وانس وجابر وابى هريرة وعبد الله بن زيد ورافع بن خديج وسهل بن حنيف وذكر غيره من رواية غيرهم ايضا ۔ فلا يلتفت الى من خالف هذه الاحاديث الصحيحة المستفيضة "

(مسلم مع نووی مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۴۱)

یعنی یہ حدیث صریح ہے۔ امام شافعی اور مالک اور احمد کے مذہب کی تائید میں کہ مدینہ کے لئے بھی حرم ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہ نے اس کی مخالفت کی انکے نزدیک مدینہ حرم نہیں۔ اور مسلم نے مدینہ کی تحریم پر اپنی صحیح میں احادیث مرفوعہ سے جو حضرت علی و سعد و انس۔ جابر ابو ہریرہ ـــــ رافع و سہیل بن حنیف

جسمی و جنبی پر محمول کیا، اور اس کو نقل کر کے پھر اسی سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ولان الخبث فی اعتقادھم" الخ

یعنی جب نجاست اعتقاد ہے تو اس کی بنا پر ممنوع کیوں ہو؛ لیکن چونکہ امام شافعی کی یہ دلیل ہی نہیں ہے اس لئے اس کا جواب بھی نہیں ہو سکتا، البتہ عام مساجد میں دخول کے جواز کے لئے یہ صحیح تعلیل ہے اور دلیل کا کام دے سکتی ہے۔

"فلا یقربوا المسجد الحرام"

کے متعلق ایک پانچواں مسئلہ اور باقی رہ گیا، یعنی مسجد حرام سے مقصود کیا ہے بجز عمارتِ کعبہ اور بھی کچھ؛ تو اگرچہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ صرف احاطہ مسجد ہے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسجد حرام میں مقصود تمام حرم ہے اور یہ از قبیل اطلاق اسم جز بر کل ہے۔ جس کے نظائر خود قرآن میں موجود ہیں، مثلاً

"سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ"

میں بالاتفاق مسجد حرام سے مقصود مکہ معظمہ ہے نہ کہ نفس مسجد کیونکہ معلوم ہے کہ اسریٰ کا معاملہ آپ پر جب واقع ہوا تو آپ ام ہانی کے مکان میں تھے، نہ کہ مسجد حرام میں، اور اسی طرح مسجد اقصیٰ سے مقصود بیت المقدس ہے نہ کہ صرف ہیکل، عطا کا قول حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں نقل کیا ہے۔

"الحرام کلہ مسجد"

باقی رہی مدینہ منورہ کی حیثیت شرعی کہ وہ حرم ہے یا نہیں؛ تو گو بعض فقہا اس طرف گئے ہیں کہ مدینہ منورہ مثل مکہ کے حرم نہیں لیکن فی الجملہ اسکے حرم ہونے

کے نزدیک مطلقاً جائز ہے، مسلمانوں کے اذن کی ضرورت نہیں لیکن امام شافعی وغیرہم ائمہ کے نزدیک مسلمانوں کے امام کی اجازت وطلب کے بغیر جائز نہیں۔

"ولا یتوقف جواز دخولہ علی اذن مسلم عندنا" (اشباہ والنظائر)

اور اصح اور مصالح شرعیہ سے اوفق مذہب امام شافعی ہی کا ہے، چنانچہ اسی لئے اس تحریک کے عنوان میں "مسلمانوں کے اذن" کی قید لگا دی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں اس قید کی ضرورت نہ ہو۔ جب کہ اسلامی حکومتیں غالب حصہ ارض پر قائم تھیں۔ اور غیر مسلم ہماری مسجدوں میں حاکمانہ اور مساویانہ اقتدار کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ بلکہ بحکم وھم صاغرون (محکوما اور مغلوبانہ) مگر اب ہماری حالت خصوصاً ہندوستان میں دوسری ہے۔ اور کسی مسائل کے صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہیں ڈالنی ہے۔ بلکہ ہر طرف نظر دوڑانی اور صدہا پہلوؤں کا تحفظ کرنا ہے۔ اگر آج مسلمانوں کے اذن وطلب درضا کی قید نہیں لگائی جائے گی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کل کو باہمی نفاق و منافرت کے زمانے میں اس نظیر سے مخالفانہ فائدہ اٹھایا جائے گا۔ اور غیر مسلموں کی ایک مخالف جماعت مسجد کی بے حرمتی اور نمازیوں کی ایذا و ضرر کے لئے مسجدوں میں بے تامل داخل ہو جائے گی۔ اور اس طرح مسلمانوں کی عبادت گاہیں ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں بے پناہ ہو جائیں گی۔ بلاشبہ ایسا تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان میں غیر مذاہب کے علائق اور ان کی تلون مزاجیاں دیکھ کر ہم ایک فعل جائز فعل نبوی کو شرعاً ناجائز بتا دیں اور اس کے صدہا برکات و فوائد کا دروازہ اپنے اوپر

کی روایت سے ثابت ہیں اور مسلم کے علاوہ دیگر ائمہ نے اور راویوں نے بھی احادیث نقل کی ہیں پس جب اس بارے میں اسقدر روایات موجود ہیں تو اس شخص کی بات پر کان نہ دھرو جو ان احادیث صحیحہ و مستفیضہ سے مخالفت کرتا ہے یعنی اور ان نصوص سنت کو صرف اس قیاس بحث کی بنا پر رد کر دینا کہ مقصود حرمت سے حرمت تعظیمی ہے نہ کہ تشریعی (جیسا کہ تورپشتی اور صاحب مرقاۃ حنفی غیرھما نے لکھا ہے) تو یہ صریح نص شارع کو رد کر دینا ہے محض قیاس و رائے سے اور ابداً مسموع نہیں اور اسی طرح حدیث ابو عمیر رضی اللہ عنہ مسلم سے استدلال۔ سو اول تو وہ مفید عام تحریم نہیں۔ ثانیاً دونوں میں یوں توفیق ہو سکتی ہے کہ احادیث ناطق حرمت موخر ہیں۔ حدیث ابو عمیر سے۔ یا ابو عمیر کی حدیث مخصص ہے اور تخصیص سے عدم تحریم لازم نہیں آتی۔ قالہ الشوکانی فی النیل

پس جب مدینہ کے لئے بھی حرم مثل مکہ کے نصاً ثابت ہوا۔ اور منجملہ احکام حدود حرم کے منع جواز دخول غیر مسلم ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فلا یقربوا کے حکم میں مدینہ بھی داخل ہے۔ اور مدینہ میں بھی غیر مسلموں کا داخل ہونا کسی حال میں جائز نہیں۔

وھذا ھو الحق الصریح الذی لا یرتاب فیہ

مسجدوں میں غیر مسلموں کا داخلہ مقید ہے یا غیر مقید؟

ایک ضروری ٹکڑا اس مسئلہ کا اور رہ گیا یعنی مساجد میں غیر مسلموں کا داخل ہونا مطلقاً جائز ہے۔ یا مسلمانوں کی اجازت کے ساتھ مقید ہے۔؟

گزشتہ صفحات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

داخل ہوگا تو یہ مسلمانوں کے مذہبی احکام میں مداخلت متصور ہوگی اور قطع نظر مذاہب ائمہ ثلاثہ و جمہور کے خود احادیث باب پر غور کیا جائے تو ان سے بھی یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کا دخول بلا اذن و رضا امام مسلمین مطلقاً جائز ہے؟ وفد ثقیف کو آنحضرت صلعم نے خود مسجد میں ٹھہرایا۔ اور وفد نجران کو خود آنے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ ثمامہ بن اثال کو مسلمان گرفتار کر کے لائے۔ اور آپ کے حکم سے مسجد میں باندھ دیا۔ پس ان روایات سے بھی یہ ثابت ہوا کہ امام وقت یا مسلمانوں کی طلب یا اذن سے غیر مسلم مساجد میں داخل ہوئے۔ اسی طرح آج بھی مسلمانوں کو ایسا کرنا چاہیے۔ اذن کی قید کا ضروری نہ سمجھنا ایک طرح کی تفریط معلوم ہوتی ہے جس طرح مطلقاً منع میں تشدد و افراط ہے۔

ایک غلط استنباط

بعض اخبارات نے لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ مسجد میں بلا طہارت داخل ہوں۔ تو ہندوؤں کو بلانا اور بٹھانا کب جائز ہو سکتا ہے؟ چونکہ یہ خیالات ایسے لوگوں نے ظاہر کئے ہیں جن کی نسبت معلوم ہے کہ علوم دینیہ سے باخبر نہیں۔ اسلئے اس بات پر چنداں تعجب نہ ہو لیکن اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو مسلمانوں سے متعلق احکام پر غیر مسلموں کے احکام کو قیاس کرنا اور اس سے جواز و عدم جواز کا استنباط اس قدر سخت نادانی و لاعلمی کی بات تھی کہ زیادہ تو اس پر بہت ہنسا جا سکتا ہے یا بہت زیادہ یہ کہ تعجب و حیرت حالت کوئی نہیں۔ اول تو تمام کتب فقہ حنفیہ میں صاف صاف لکھا ہے۔

بند کرلیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو وہ صول شریعت اور آداب وظائف امتنا سے بے بہرہ ہے۔ اور اسکو حق نہیں پہنچتا کہ معاملات شرعیہ میں زبان کھولے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ قیام و بقاء احکام کے ساتھ وقت و حالات کے مقتضیات کا بھی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ اگر ایسا نہ کیا جائیگا۔ تو پہلی صورت سے بھی زیادہ مضرتیں لاحق ہونگی۔ پس اس میں شک نہیں کہ جواز دخول کو اذن مسلم سے مقید کرنا نہایت ضروری اور احکام و مصالح شرعیہ سے اوفق ہے۔ اور بغیر اذن کے بلاشبہ عدم جواز کا فتویٰ دینا چاہیئے۔ یعنی جب کبھی مسلمانوں کا کوئی پیشوا یا مسلمانوں کی کوئی جماعت غیرمسلم یا غیرمسلموں کی کسی صحیح پسند اور دوست و حلیف جماعت کو مقاصد صالحہ کی مخاطبت سے مسجد میں بلانے یا کم از کم تقریباً ان کے داخل مسجد ہونے پر راضی ہو تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ وہ مجلس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ خطبات و موعظ کو مسجد میں سن سکتے ہیں۔ جماعت نماز کا منظر دیکھ سکتے ہیں ۔ اور ضرورت ہو تو غیر اوقات صلوٰۃ و جماعت میں جائز و مستحسن امور پر پوری آزادی سے تقریر بھی کرسکتے ہیں۔ بلکہ خود مسلمانوں کو چاہیئے کہ حسب ضرورت و حالت معاملات مشترکہ پر ان سے مجالس مسجد مسجد میں مشورہ کریں۔ اور ان کی واقفیت و تجارت سے فائدہ اٹھائیں جس طرح حضرت عمر مجلس شوریٰ میں بعض اوقات غیرمسلموں کو خود بلاتے تھے۔ اور ملکی معاملا پر ان سے مشورہ کرتے تھے۔ مثلاً مسائل تشخیص اقسام زمین و تعیین جزیہ و تنظیم دفاتر و دیوان ملکی اور بعض امور متعلق سواعراق و مصر پر ذمیوں کو بلانے اور مشورہ کرنے کے واقعات مندرجہ فتوح البلدان۔ کتاب الخراج و طبری وغیرہ لیکن بغیر مسلمانوں کی اذن و طلب کے شرعاً جائز نہ ہوگا۔ کہ کوئی غیرمسلم مسجد کے اندر داخل ہو۔ اگر

سے بھی بڑھ کر تمہارے ہندوستان کی مسجدیں مقدس ہو سکتی ہیں جن کی نسبت قرآن نے خود شہادت دی کہ :-

فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المتطھرین

اور فرمایا

لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم

یعنی بقول اصح اور حسب تفسیر ماثور مسجد نبوی نہ کہ مسجد قبا

کما ثبت عن ابی بن کعب مرفوعا عند احمد

وعن ابی سعید الخدری عند مسلم والترمذی

والنسائی والبیھقی والحاکم وابن منذر وابی الشیخ

وابن ابی شیبہ وغیرھم

فیا للہ ویا للعقول !

جس مسجد مقدس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ و طہارت پر پڑی جس کی دیواریں وحی الٰہی کا مورد و مہبط ہوئیں اور جس کے نمازیوں کی پاکی اور ستھرائی پر خود اللہ تعالیٰ نے گواہی دی۔ وہ تو کفار اور عبدۃ الاصنام طائف کے نزول و اقامت سے ناپاک نہیں ہوئی۔ اور اللہ کے رسول نے ان کو ٹھہرانے سے پہلے انکو غسل کر لینے کا حکم نہیں دیا۔

لیکن آج ہندوستان کی مسجدیں ہندوؤں کے چار گھڑی قیام سے ناپاک ہو جائیں گی۔ اسلئے کہ احکام اسلام کے مطابق وہ غسل و طہارت کر کے نہیں آتے! اگر

و لا یمنع من دخول المسجد جُنباً بخلاف المسلم

یعنی غیر مسلم اگرچہ جنبی ہو مسجد میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔ برخلاف مسلمانوں کے کہ وہ احکام اسلامی کی تعمیل پر مجبور ہیں۔ اور ان کے لئے بحالت جنابت داخل ہونا جائز نہیں۔ ثانیاً خود مسلمانوں کے لئے بھی مقیم و عابر کا جو فرق کیا گیا ہے۔ وہ ان لوگوں کو معلوم نہیں۔

وقد جوز واعبور عابر السبیل جُنباً ۔

ثالثاً تمام شور و شغب کے لئے قاطع یہ ہے کہ غیر مسلم فروع میں مخاطب ہی نہیں کہ ان کی نسبت احکام طہارت کا سوال پیدا ہو۔ کما تقرر فی الاصول۔ اور یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ شرعاً غیر مسلم باعتبار ذات و جسم کے پاک ہے۔ اور لمس و مواکلت و مشارکت وغیرہ میں حکماً عام حالت طہارت جسم و لباس کی ہمارے لئے معتبر۔ اور مزید براں معاملات طہارت جسم و لباس کی نسبت اگر غیر مذہبوں کے مذہب میں احکام غسل وغیرہ موجود ہیں تو ہم انکا ملنے جلنے اور معاشرت کے معاملات میں اعتبار کریں گے۔ اور معلوم ہے کہ ہندوؤں کے یہاں خود احکام غسل موجود و معمول ہیں۔ حتی کہ اس بارے میں انکا حد غلو و تشدد اور تو ہم پرستی تک پہنچ گیا ہے۔ پھر جب خود صاحب شریعت کا کفار عرب کو مسجد میں بلانا اور بطور مہمان کے ٹھہرانا ثابت ہو چکا ہے۔ حالانکہ مشرکین عرب ہندوستان کے ہندوؤں سے یقیناً زیادہ گندے اور بے احتیاط تھے۔ اور اسی طرح اس عہد کے رومن کیتھولک عیسائیوں کو مسجد میں آنے دیا جن سے زیادہ گندی اور کثافت پسند قوم شاید ہی دنیا میں کوئی گزری ہو۔ تو پھر اب کسی مسلمان کیلئے کب جائز ہے کہ طہارت کی بنا پر اس معاملہ کو جائز بتلانے کیلئے ان مساجد داخل مساجد

الفاظ مشرکین وکفار کے موجود ہیں ثالثاً یہ مسئلہ متفرع ہے دراصل ایک اصول حکم کے تصفیہ پر یعنی اسلام نے غیر مسلموں کی جو قسمیں قرار دی ہیں ان کے اعتبار سے ہندوستان کے ہندوؤں کا شمار کس قسم میں کرنا چاہئے فقہا نے قسمیں تین کی ہیں۔
اہل کتابین - شبہ اہل کتاب - عامہ مشرکین وعبدۃ الاوثان - اہل کتاب اور شبہ اہل کتاب سے جزیہ قبول کرنے اور ذمہ لینے پر تو سب کا اتفاق ہے اہل کتابین کی نص قرآنی -

حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون ٭

اور مجوس کے لئے کہ شبہ اہل کتاب ہیں) نص سنت کہ

سنوا لھم سنۃ اھل الکتاب (خرجہ البخاری)

اور حضرت عمر کا اس معاملہ میں توقف اور عبدالرحمٰن بن عوف کی شہادت کہ خود آنحضرت نے مجوس ہجر سے جزیہ قبول کیا - اور پھر باجماع صحابہ مجوسیوں سے جزیہ قبول کرنا وغیر ذلک من الدولۃ - باقی رہی قسم عام مشرکین کی تو حضرت امام ابوحنیفہ - امام احمد (فی احدی الروایتہ) اس طرف گئے ہیں کہ مشرکین سے جزیہ لینا اور انکے لئے بجز اسلام و سیف کے تیسری صورت نہیں - مگر عرب کی تمام بت پرست اقوام سے جزیہ لیا جائے گا - اور ان کا شمار اہل ذمہ میں ہوگا - قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں -

وجمیع اھل الشرك من المجوس وعبدۃ الاوثان والنیران والحجارۃ والصابئین والسامرۃ توخذ منھم الجزیۃ ما خلا اھل الردۃ

موجودہ عہد کے علماء کی فقاہت و افکار کا معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے تو پھر بجز

انا للہ و انا الیہ راجعون

پڑھ دینے کے سوا چارہ نہیں۔ اور شاید اس کے پڑھ دینے کا وقت مدت ہوئی کہ آچکا اور گزر چکا۔!

ہندوستان کے ہندو کس قسم کے غیر مسلم ہیں

جب وقت کی علمی صلاحیتوں کا یہ حال ہے تو عجب نہیں بعض حضرات اس تحریر میں جا بجا ذمی کا لفظ دیکھ کر یہ شبہ وارد کریں کہ ذمیوں سے غیر مسلموں کی ایک خاص طرح کی جماعت مقصود ہے۔ عام طور پر تمام غیر مسلموں کے لئے۔ یہ احکام کیونکر مفید جواز ہو سکتے ہیں۔ ناچار اس کی نسبت بھی چند کلمات لکھنا ضروری ہوا۔

اولاً تو بنیاد جواز کی جو نصوص ہیں ان میں ذمی اور غیر ذمی کا سوال پیدا نہیں ہوتا وفد نجران کے عیسائی تحقیق حال کے لئے آئے ہیں۔ ابھی اسلام کے محکوم بھی نہیں ہوئے تھے کہ ذمیوں میں ان کا شمار ہوتا۔ یہی حال وفد ثقیف کے ارکان کا تھا۔ اور ثمامہ بن آثال کے ربط ماریہ مسجد کی صورت تو بالکل واضح اور عدم امتیاز ذمی و غیر ذمی کے لئے ناطق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اسی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں۔ وقیل یوزن للکتابی خاصہ وحدیث الباب یرد علیہ فان ثمامۃ لیس من اھل الکتاب۔

(فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)

سابقاً کتب فقہ کی جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان میں صرف ذمیوں کے متعلق نہیں ہیں بلکہ یہ

ہیں اور شبہ اہل کتابین میں بھی مجوس سے کہیں بلند مرتبہ رکھتے ہیں جب باوجود پرستش آتش وعدم انضباط شریعت و احکام مجوسیوں کی نسبت فرمایا۔

سنوا ھم سنۃ اھل الکتاب

اور باوجود پرستش کواکب صابئین کو جمہور نے مثل اہل کتاب کے قرار دیا تو ظاہر ہے کہ ہندوستان کے ہندو باوجود ضبط شریعت و احکام و حفظ علوم و تمدن وادعائے وجود صحف وکتب محض پرستش قویٰ و افعال وصور مظاہر فطرت کی بنا پر کیوں اہل کتاب میں تسلیم نہ کئے جائیں۔ حافظ ابن قیم صابئہ کے کی نسبت لکھتے ہیں۔

"انھم امۃ کثیرۃ واکثرھم فلاسفۃ ولھم مقالات مشھورۃ۔ فانھم احسن حالا من المجوس فاخذ الجزیۃ من المجوس تمنہ علی اخذھا من الصابئۃ بطریق اولی فان المجوس من اخبث الامم دینا ومذھبا۔

میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کے ہندو ان دونوں قوموں یعنی مجوسیوں اور صابئہ سے بدرجہا بہتر حالت و افضل حیثیت مذہبی و مدنی رکھتے ہیں پس اگر ان دونوں کا شمار شبہ اہل کتابین میں ہوا تو یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ہندوؤں کا شمار بطریق اولی ہوگا۔

حافظ ابن المنذر نے حضرت علی علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے۔

انا اعلم الناس بالمجوس کان لھم علم یعلمونہ و کتاب یدرسونہ"

اور قاضی ابو یوسف نے بسلسلۂ اسناد روایت کی ہے

قال علیؑ انا اعلم الناس بھم کانوا اھل

من اهل الاسلام و اهل الاوثان من
العرب فان الحکم فیہم ان یعرض علیہم
الاسلام فان اسلموا و الا قتل الرجال
منہم وسبی النساء والصبیان (صفحہ ۷۳)

منتقیٰ ہدایہ کتاب السیر میں ہے۔

وتوضع الجزیۃ اہل الکتاب والمجوس و
عبدۃ الاوثان من العجم "

مگر حضرت امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔ اور انصاف اہل الذمہ کو صرف اہل
کتاب و مجوس میں محدود کر دیتے ہیں۔ اور امام مالکؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کا یہ مذہب ہے
کہ سب سے جزیہ قبول کیا جائے گا۔ اگرچہ عرب کے بت پرست ہوں وہ کہتے ہیں کہ اگر سورہ
براۃ سے نزول اور عام تبوک کے بعد (جس میں باتفاق آیۂ جزیہ نازل ہوئی) مشرکین
عرب کا وجود باقی رہا ہوتا تو ان سے بھی جزیہ قبول کیا جاتا۔ اور اس میں شک
نہیں کہ دلائل کی قوت آخری مذہب ہی کے ساتھ ہے۔ اور اس بارے میں امام
شافعی کا مذہب بغایت ضعیف ہے۔ بہرحال فقہاء حنفیہ و مالکیہ و حنبلیہ
اور جمہور کے نزدیک مشرکین عجم بھی باعتبار اخذ جزیہ و قبول ذمہ شبہ اہل کتاب میں
داخل ہیں۔ اس لئے ہندوستان کا شمار بھی قطعاً اسی صنف میں ہو گا۔ اور جو بات مشرکین
عرب کے لئے جائز رکھی گئی ہو گی وہ ان کے لئے بدرجۂ اولیٰ جائز ہو گی۔ اور اگر
تحقیق مقام کا ایک اور قدم آگے بڑھایا جائے تو حق یہ ہے کہ ہر لحاظ اور ہر حیثیت
سے ہندوستان کے ہندوؤں کا شمار شبہ اہل کتاب میں ہے نہ کہ قسم عبدۃ الاوثان

ہے جو دنیا میں کوئی حاکم قوم محکوموں کے ساتھ کرسکتی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایک فرمان

بعض مفسرین و فقہا نے حضرت عمر بن عبد العزیز کا ایک فرمان نقل کیا ہے۔ کہ انھوں نے غیر مسلموں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا تھا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

قال الامام ابو عمر الاوزاعی کتب عمر بن عبد العزیز ان امنعوا الیهود والنصارٰی من دخول مساجد المسلمین (جلد ۴ صفحہ ۳۷۱)

لیکن جب مرفوعات کی موجودگی میں موقوف واقوال صحابہ حجت نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ خود شارع کے نص وفعل کے مقابلہ میں صرف حضرت عمر بن عبد العزیز کا مجرد قول اور اجتہاد کیا وزن رکھتا ہے۔؟

واذا جاء نهر الله بطل نهر المعقل

ذمیوں کے دخول مسجد حرام کی نسبت احناف کی رائے اور اس کا جواب

اس وقت میں نے حافظ ابن کثیر کی تفسیر دیکھی تو حضرت امام ابو حنیفہ کے مذہب کی مؤید ایک روایت ملی۔ اگرچہ فتح القدیر وغیرہ نے اس سے استدلال نہیں کیا ہے امام موصوف کا مذہب یہ ہے کہ مسجد حرام میں بھی ذمی داخل ہوسکتے ہیں۔ غالباً انکے مذہب کی بنیاد یہ ہو کہ عبد الرزاق نے ابو الزبیر سے حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے۔

كتاب يقرؤنه وعلم يدرسونه فنزع من صدورهم (كتاب الخراج صفحه ۷۰) ولكن صعفه جماعت من الخطاط كما قال ابن القيم ‌•

یعنی میں سب سے زیادہ مجوسیوں کی نسبت علم رکھتا ہوں۔ انکے پاس علم تھا جسکو پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اور کتاب (ژنداوستا) تھی جس کے درس و نظر میں مشغول رہتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ آج ہر وہ شخص جسکو ہندوؤں کی حالت کا علم ہے بعینہ یہی جملہ مع شئی زائد کہہ سکتا ہے۔ کہ

كان لهم علوم يعلمونها، وكتب يدرسونها وشريعة يعلمون بها ولكن ضلوا عن سواء السبيل كما ضل النصارى وقالوا ان الله ثالث ثلاثه واتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله والمسيح ابن مريم ـ وما امروا الا ليعبدوا الٰها واحد سبحانه وتعالى عما يشركون

یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب نے باتفاق جمیع علمائے حنفیہ ہند ہندوؤں پر جزیہ کے احکام جاری کئے تھے۔ نادانی اور بے خبری سے ہندوؤں نے سمجھا کہ یہ انکی تذلیل و تحقیر ہے۔ حالانکہ اگر اسوقت علمائے محققین ہوتے اور وہ جزیہ کی غرض و غایت اور اہل الذمہ کے حقوق معتبر فی الشرع کو کھول کھول کر بیان کر دیتے۔ تو ہندوؤں کو معلوم ہو جاتا ــــــ کہ یہ ان کی تذلیل نہیں ہے ــــــ بلکہ وہ بہتر سے بہتر سلوک

اس مسئلہ میں اختلاف کے علاوہ ائمہ ثلاثہ کی رائے

غالب جماعت علمائے ہند کا عمل و فتوی فقہ حنفی پر رہا اسلئے عملاً اس بحث کا اسوقت خاتمہ ہو گیا۔ جب کہ معلوم ہو گیا کہ اس بارے میں فقہائے حنفیہ کا مذہب کیا ہے لیکن تحقیق و تکمیل بحث کے لئے مناسب ہو گا اگر دیگر ائمہ اہل اسلام کے مسالک بھی صاف ہو جائیں علی الخصوص جبکہ فقہ جامع سے بے خبری اور اشتغال بمجرد فقہیات درسیہ حنفیہ کی وجہ سے خلافیات میں لوگوں کو معلومات کوتاہ اور حکم اکثر حالتوں میں غلط ہوتا ہے۔ امام مالک اور امام احمد کی نسبت ہدایہ وغیرہ کی شروح میں تم نے دیکھا ہو گا کہ اس بارہ میں ان کا مذہب مطلقاً منع ہے اسی بنا پر تعلیل بالتجاب کے بارے میں بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ دلیل شافعیہ کے لئے مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ مسجد حرام کے علاوہ عام مساجد میں بھی وہ قائل جواز دخول ہیں۔ البتہ مالکیہ کے لئے ہو سکتی ہے۔ جن کا مذہب مطلقاً منع ہے لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اصلیت اس کے خلاف ہے۔ اور دراصل اصح و مفتی بہ مذہب مالکیہ و حنابلہ کا بھی وہی مذہب تفصیل ہے جو امام شافعی کا ہے۔ انکو مطلقاً جواز سے اختلاف ہے نہ کہ جواز مقید بالاذن والرضا سے یہ معلوم ہے کہ فقہا و ائمہ کے اقوال و مذہب کی نسبت بے شمار مسائل ہیں۔ لہذا اوقات مختلف روایتیں بلکہ متضاد روایات پائی جاتی ہیں۔ اور فقہ حنفی میں تو اسکے نظائر سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں باوجود تدوین کتب صاحبین خود صاحبین کے اقوال ظاہر الروایت میں کچھ ہیں اور غیر ظاہر الروایت کتب میں کچھ۔ حتی کہ کہا گیا کہ کوئی مذہب نہیں جسکے مطابق کوئی نہ کوئی

انّه یقول فی قوله تعالیٰ انّما المشرکون
نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم
هذا الّا ان یکون عبداً واحداً من اهل الذمة

اسی روایت کو باختلاف الفاظ امام احمد نے بطریق حسن عن جابر مرفوعاً
بھی روایت کیا ہے لیکن حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

"تفرد به الامام احمد مرفوعاً والموقوف
اصح اسناداً (جلد ۴ - ۳۷۱)

لیکن اس روایت سے بھی جمہور کے مذہب منع دخول پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا
اسلئے کہ انما المشرکون نجس فلا یقربوا
کا نص عام مطلق موجود ہے۔ اور اس سے اہل الذمہ اور غلاموں کو مستثنیٰ کرنا
قرآن پر زیادتی ہے اور جیسے احناف کے نزدیک ہر طرح کی زیادہ نسخ ہے اور وہ خبر
حاد ... مرفوع سے بھی جائز نہیں۔

الزیادۃ علی الکتاب نسخ فلا یکون الا
بآیة ناسخة او حدیث مشہور ناص۔"

تو پھر حضرت جابرؓ کے قول سے یہ حکم عام و مطلق قرآن پر کیونکر زیادتی جائز
ہو سکتی ہے۔ علی الخصوص جبکہ دیگر دلائل و تواطع و معامل عہد صحابہ و خلفائے
راشدین و عمل مستمرہ اہل اسلام سلفاً و خلفاً اس کے ساتھ موجود ہے۔

ذمیوں کو اجازت دی جاسکتی ہے۔ اگر مصلحت ہو۔ مگر غیر ذمیوں کو نہیں
اکثر فقہا مالکیہ کا فتوی اسی پر ہے۔ سید محمد امیر حاشیہ مجموعۃ المفتی میں لکھتے ہیں

مناسب مقام پر ایک واقعہ یاد آگیا ۱۲۱۳ھ میں جب نپولین بونا پارٹ نے مصر پر حملہ کر کے فتح کرلیا۔ اور ڈھائی برس تک فرانسیسیوں کا قبضہ رہا تو خود نپولین اور اکثر افسران فوج نے علانیہ جامع ازہر میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ جمعہ کی نماز میں شریک ہوتے تھے۔ اور اسلامی نام بھی اختیار کرلئے تھے مگر تمام فرانسیسی فوج بدستور عیسائی ہی سمجھی جاتی تھی۔ اور اکثر مسجدوں میں داخل ہوجاتی تھی۔ اس پر یہ بحث چل پڑی کہ غیر مسلموں کو مساجد میں آنے دینا چاہئے یا نہیں؟ اس پر بعض علما مالکیہ نے کہا کہ جائز نہیں لیکن شیخ عبدالرحمان جبرتی صاحب تاریخ عجائب الآثار نے ایک خاص رسالہ لکھکر ثابت کیا ہے کہ مالکیہ کے مذہب میں بھی اذن و اجازت اہل اسلام کی شرط کے ساتھ جائز ہے پس بغیر مسلمانوں کی اجازت کے عیسائی داخل نہ ہوں۔ اجازت لیکر رعایت۔ احترام و تعظیم مسجد کے ساتھ داخل ہوسکتے ہیں۔ یہ پورا واقعہ شیخ عبداللہ شرقاوی نے تحفۃ الناظرین میں لکھا ہے۔ جو اس وقت شیخ الازہر تھے۔ مگر کتاب مذکور اسوقت میرے پاس نہیں۔

مقامات بلاد اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق کی تفصیل

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بلاد اسلام غیر مسلموں کے حق میں تین حالتیں رکھتے ہیں

روایت فقہ حنفی میں نہ مل جائے لیکن بایں ہمہ عمل و فتوی قول اصح و مفتی بہ پر ہے نہ کہ مرجوح غیر معمولی بہ پر۔ یہی حال دیگر ائمہ کے یہاں پیش آیا لیکن وہاں صرف یہی نہیں ہے کہ ان کے اقوال کون کون سے منقول ہیں۔ بلکہ یہ معلوم کرنا چاہئے کہ ان کے یہاں کی تقسیم طبقات و مسائل و عمل و افتاد کے لحاظ سے اصح اور مفتی بہ کون ہے؟ "

حضرت امام احمدؒ کے اس بارے میں دو قول مشہور ہیں ایک میں ذمی یہود کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے۔ مگر غیر ذمی کفار کے لئے ناجائز اور دوسرے میں تمام غیر مسلموں کے لئے جائز مگر اذن مسلم کی شرط دونوں میں ہے اور فقہا حنابلہ کا فتوی و عمل اسی دوسرے قول پر ہے۔ کتاب المستوعب میں جس پر تمام فقہا متاخرین حنابلہ کا عمل و فتوی ہے تمام اقوال جمع کر دئے ہیں۔

هل يجوز الكافر دخول مساجد الحل على روايتين

پھر کہا۔

فان الصحيح من المذهب الجواز "

بلکہ بعض اکابر حنابلہ کے نزدیک تو اذن مسلم کی بھی شرط نہیں ہے اگرچہ یہ قول مرجوع ہے۔ آداب الکبری ابن مفلح میں ہے۔

فی جواز دخول الكافر مساجد الحل باذن مسلم لمصلحة روايتان ۔ وحكى بعض اصحابنا رواية الجواز من غير اشتراط اذن "

یہی حال فقہائے مالکیہ کا ہے۔ ایک قول میں تو مطلقاً منع ہے دوسرا قول یہ کہ

وقال ابن الکلبی

جزیرة العرب من قصی عدن الی ریف العراق فی الطول۔ واما فی العرض فمن جدة وما والاها من ساحل البحر الی اطراف الشام وتبوک من الحجاز "

تو اس کا حکم یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی اذن سے غیر مسلم داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایک مسافر کے قیام سے زیادہ رہنا اور توطن جائز نہیں یعنی زیادہ سے زیادہ تین دن تک خاص حالتوں میں امام وقت اس سے زیادہ دنوں کی بھی اجازت دے سکتا ہے۔ مثلاً سفراء دول اربابِ صناعت وغیرہ لیکن تمکین قیام اور توطن وتقریر شرعاً جائز نہیں۔ خواہ مستأمن لوصیتہ صلعم۔

" اخرجوا الیہود والنصاری من جزیرة العرب وغیر ذلک من نصوص السنة فی ھذا الباب :

منہا ما روی عن عمر بن الخطاب انہ سمع رسول اللہ صلعم یقول " لاخرجن الیہود والنصاری من جزیرة العرب حتی لا ادع الا مسلما وکذلک فعل عمر فی خلافتہ باجماع الصحابہ

اور اس نص صریح کے خلاف اصحاب ظن وتخمین کی کوئی تاویل قیاسی ورائی مسموع ومقبول نہیں۔ واستنباط علت مصلحت بایں طور اگر کوئی مصلحت مقتضی تقریر اہل کتاب وکفار عرب کی ہو تو اخراج ومنع توطن ضروری نہیں صحیح

اولاً حرم تو جائز نہیں ہے کہ کسی حال میں بھی غیر مسلم کو داخل ہونے کا موقع دیا جائے۔ خواہ ذمی ہو۔ خواہ مستامن۔ اور کوئی قیاس اور تعلیل بالمصلحۃ وغیرہ اس بارے میں مسموع نہیں۔

لظاهر الآية فلا يقربوا المسجد وبه قال الشافعي واحمد ومالك والجمهور من السلف والخلف والعمل على ذلك وللمدينة حرم مثل حرم المكة۔

اور اگر کسی غیر مسلم حکومت کے غیر مسلم سفراء آئیں یا کوئی اور ایسی ہی ضرورت پیش آجائے اور امام حرم میں ہو تو ان کو اندر بلانا جائز نہیں بلکہ چاہیے کہ خود حرم سے باہر نکل کر ان سے ملاقات کرے۔

او يبعث اليهم من يسمع رسالتهم خارج الحرام

بزرگو حنفیہ کا قول اس کے خلاف ہے مگر عمل ان کا بھی اسی پر رہا ہے۔ اگر مسلمانوں کی لاعلمی میں کوئی غیر مسلم تلبیس و فریب سے داخل ہو گیا ہو تو بمجرد علم اس کا اخراج واجب ہوگا۔

ثانیاً جزیرۂ عرب

"ما احاط به بحر الهند والشام ثم دجلة والفرات او ما بين عدن ابين الى اطراف الشام طولاً ومن جدة الى ريف العراق عرضاً" (قاموس)

ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا

فی الحقیقت ترک عمل بالکتاب والسنۃ ہی کا نتیجہ وہ فتنۂ مہلکہ و مصائب ہیں جو آج صدیوں سے امم ملت اسلامیہ و تحقق عزت الاسلام و سلب تفاخر ام و اشتداد یاس و نومیدی ہے۔

ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدي الناس

یہی وہ مفاسد و مہالک و باعث جمیع نوازل و ذلائل و قوارع ہیں جن کا قرن بعد قرن و تارۃ بعد اخریٰ نزول ہو رہا ہے۔

والناس في غفلة معرضون ما يأتيهم من ذكر من ربهم محدث الا استمعوه وهم يلعبون . انا لله و انا اليه راجعون

آج ہر طرف لوگ اسباب تنزل و تسفل امت پر بحث کر رہے ہیں مگر جو اہل قلم اور مدعیان اصلاح و امامت فی الدین ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اصلی سبب تمام نوازل و مصائب کا کیا ہے؟ کاش اللہ اس حقیقت کے فہم کے لئے ان کے دلوں کا انشراح فرما دے کہ جن جن چیزوں کو سبب سمجھ رکھا ہے وہ خود کسی اصلی بیماری کی فرع ہیں بجائے اصلیہ نہیں ہیں۔ اصلی علت اول روز سے ایک ہی رہی ہے اور آج بھی وہی ایک ہی ہے۔ یعنی ترک عمل بالکتاب والسنۃ، اقتصار بمجرد روایات تقلید، التزام تقلید وجوباً و سد باب نظر و اجتہاد و تفقہ فی الدین۔ ایک واضح نظیر اسکی یہی مسئلہ تقریر کفار در جزیرۂ عرب و عدم وجوب اخراج اہل کتاب ہے جس پر محض بربنائے تقلید فقہائے حنفیہ سلاطین اہل اسلام عمل کرتے رہے اور رسول کو بمقابلہ

رد ابطال نصوص بمجرد ظن و رائے بحث ہے اور گو حکم اخراج حکم منع قیام رائے کے خلاف ہیں لیکن قیاس صالح اور حکمت عقلیہ صادقہ کے ابداً خلاف نہیں جس طرح شریعت کا کوئی حکم قیاس صحیح کے خلاف نہیں ہے۔ یہ موقع اسکی تفصیل کا نہیں۔ مگر سورۂ براءت کی تفسیر میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ افسوس کہ صدیوں سے اسلامی حکومتوں کا عمل اس حکم صریح شارع کے بخلاف چلا آرہا ہے۔ علی الخصوص حکومت عثمانیہ نے جزیرہ عرب میں غیر مسلموں کو علانیہ وقتاً فوقتاً تمکین و توطن و تقرر کی اجازت دیدی۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ عین جدہ میں کہ نہ صرف جزیرۂ عرب بلکہ حدود حجاز میں داخل ہے غیر مسلموں کی تمکین و تقرر سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ اور یہ نتیجہ ہے کتاب و سنت سے بعد اور علوم علیہ قرآن و حدیث کے ترک و ہجر کا اور علی الخصوص علماء اتراک کے فقہانہ جمود و تنگی نظر کا کہ بلا نظیر و تحقیق صرف فقہ حنفی کی روایات پر قوانین ملکی و سیاسی کا دارومدار ٹھہرایا اور نصوص سنت کی اس بارے میں کچھ پرواہ نہ کی۔

فقہا حنفیہ کے نزدیک تو غیر مسلموں کا اخراج خود حدود حجاز سے بھی واجب نہیں۔ ہم تا بہ جزیرۂ عرب چہ رسد؟ اس غفلت و جہل اور ترک احکام شریعت و رد وصیت نبوی و سنت خلفائے راشدین و تشبث بہ آرا و قیاسات رجال سے جو نتائج مہلکہ پیدا ہوئے۔ اور جن کا معاملہ اب آخری حد ظہور و بلوغ تک پہنچ چکا ہے وہ دنیا کے ہر شنفے کے سامنے ہیں۔ حاجت بیان کی نہیں البتہ بن پڑے تو ترک عمل بالکتاب و السنۃ کے خطاب و عذاب پر ماتم کرنا چاہئے۔ واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا

وجعل اللہ بعد ذالک امرا!

ثالثاً تمام ممالک اسلامیہ و بلاد محکوم بحکومت اسلام تو انکا حکم یہ ہے کہ غیر مسلموں کو (خواہ اہل کتاب ہوں یا غیر اہل کتاب) ان میں توطن و قرار کا موقع دینا ہے۔ اور اسکی شرعاً دو صورتیں ہیں۔ عہد و امان و ذمہ اور جب کوئی جماعت ذمیوں میں داخل ہوگئی تو اسکو وہ تمام حقوق امن و شہریت کے حاصل ہو گئے۔ جو مسلمانوں کو شرعاً حاصل ہیں۔ از انجملہ یہ کہ وہ مسجدوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مگر امام وقت یا مسلمانوں کی اجازت و رضا سے۔

کیا مسجدیں صرف نماز کے لئے ہیں

بعض صاحبوں نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد صرف عبادت کے لئے ہے۔ اس لئے اس قسم کی مجلسیں وہاں منعقد کرنا جائز نہیں ہے

یہ بات پہلے بھی بارہا کہی گئی ہے۔ اور ایک بار سے زیادہ مرتبہ اس بارے میں بالتفصیل لکھ چکا ہوں۔ یہاں اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ مسجد عبادت کے لئے ہے۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ اگر یہ مطلب ہے کہ

"انما بنیت المساجد لما بنیت لہ"

(مسلم عن ابی ہریرہ)

اور

"وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا"

تو یہ حق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن اگر مقصود یہ کہ بجز نماز کے اس میں

آرا و قیاسات رجال پس پشت ڈال دیا۔ اس کا تخم اوائل ہی میں پڑ چکا تھا لیکن آج برگ و بار مسلمانوں کے سامنے ہیں۔ اور ہر ذی عقل موجودہ حالات کو دیکھ کر فیصلہ کرنے لگا ہے کہ حق وہ تھا جو اللہ کی وصیت اور متبعین ظواہر نصوص کا مسلک تھا یا حق یہ ہے جو ارباب آراء و تاویلات قیاسیہ نے اختیار کیا؟ باایں ہمہ اب تک بدستور تشخیص مرض کے امراض اور تجویز و تنقیح علاج سے جہل و اغماض ہے۔ آج کون ان مسلمانوں کو جو ایک ہی صراط مستقیم کو چھوڑ کر سبل متفرقہ میں بھٹک گئے ہیں یہ بتلائے کہ راہ خود و مکانات ماسلف وہ نہیں جس کا غلغلہ و ہنگامہ ہر طرف مچا یا جا رہا ہے بلکہ صرف ایک ہی تھی اور ایک ہی ہے یعنی بحکم

"عضوا بالنواجذ" اعتصام بالکتاب والسنۃ

اور بتعمیل وصیت نبوی بہ حذیفہ کہ

فاعتزل تلك الفرق كلها وان تعض باصل شجرة

(رواہ البخاری)

ترک ماسواھما وان تعضوا باصل شجرۃ

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار

بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

بہر حال دوسری قسم جہاد اسلامیہ کی تھی کفار جزیرۂ عرب ہے جس کی نسبت شریعت حقہ کا حکم یہ تھا اور مسلمانوں نے عمل کیا۔ اور اسکی پاداش میں وہ سب کچھ ہوا جو ہو چکا ہے۔ اور وہ سب کچھ ہوتا ہے جو ہو رہا ہے۔ تا از پردۂ غیب چہ روئے دہد۔

اور واقعہ لعان کی مشہور روایت لائے ہیں مسافر کا مسجد میں قیام بلا اتفاق جائز ہے۔ اور امام بخاری نے باب باندھا ہے۔

"نوم المرأة فی المسجد"

اور اس میں بروایت حضرت عائشہ (ولیدہ ایک لڑکی) کے آنے اور مسلمان ہونے اور مسجد میں قیام کرنے کا واقعہ لائے ہیں۔

"فکانت لها خباء فی المسجد جناء"

یعنی خیمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نوعمر اور مجرد تھا۔ اکثر مسجد میں سو جایا کرتا تھا۔ حضرت علیؓ کا مسجد میں سونا اور آنحضرت کا آکر

"قم یا ابا تراب"

کہنا معلوم ہے۔

مسجد نبوی میں فقرا و صعالیک کی دار الاقامہ اور متعلمین قرآن و شریعت کے لئے درسگاہ تھی۔ اصحاب صفہ کے تلقب کا سبب یہی ہے۔ کہ مسجد میں انکے لئے ایک صفہ (چبوترہ) تھا جہاں شب و روز پڑے رہتے تھے۔ امام بخاری ابو ہریرہؓ کی روایت "نوم فی المسجد" میں لائے ہیں۔ کہ اصحاب صفہ میں سے میں نے ستر آدمیوں کو دیکھا جن کے جسم پر پورا کپڑا بھی نہ تھا۔ مسجد نبوی میں علاوہ جماعت صلوٰۃ کے ہر طرح کی مجلسیں اور صحبتیں منعقد ہوتی تھیں۔ آنحضرت صلعم کی نشست اکثر اوقات یہیں رہتی تھی اور تعلیم و صحبت اور صدور احکام و مشورہ و معاملات وغیرہ جو کچھ ہوتا تھا یہیں ہوتا تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ

اور کچھ نہ ہونا چاہئے تو اس قول سے بڑھ کر جہل بالشریعت کا اور کوئی قول نہیں ہو سکتا
...ین د استفار سنت اور فتاوی علماء مقتدر و کتب شریعت موجود ہیں جن سے صریح و قطعی
ثبوت بے شمار اعمال و اجتماعات و مجالس فی المسجد کا ہوتا ہے اور بالاتفاق
تمام ائمہ اسلام نے نہ صرف ان کے جواز بلکہ مستحسن و مسنون ہونے پر اتفاق کیا ہے
ان سب کا جواب کیا ہوگا؟ اور نہیں تو صرف صحیح بخاری ہی کے ابواب متعلق
احکام مسجد دیکھ لئے جائیں۔ کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارت مسجد سے
کیا کام لئے ہیں؟ وفود کے نزول و قیام کی روایتیں اوپر گذر چکیں۔ دراصل یہ
دور میں مسجد نبوی بھی اور تمام عمارتوں کی طرح سرکاری مہمان سرا کا بھی کام
دیتی تھی۔ عمارتوں کی تعمیر و تخصیص عہد فاروقی سے شروع ہوئی ہے۔ اموال
غنیمت اور خراج و زکوٰۃ وغیرہ بھی مسجد ہی میں لائے جاتے تھے۔ اور وہیں
لوگوں میں تقسیم ہوتے تھے۔ عہد خلفائے راشدین میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ امام بخاری
نے باب باندھا ہے۔

"باب القسمة وتعليق القنو في المسجد"

اور حضرت انس کی روایت درج کی ہے کہ جب بحرین سے خراج آیا تو آپ نے حکم دیا
"انثروہ فی المسجد۔ ای صبوہ فی المسجد"
چنانچہ نماز کے بعد تقسیم کے لئے بیٹھے۔ اور مسجد ہی میں تقسیم فرمایا۔ مسجد ہی دار القضا
بھی تھی۔ بے شمار واقعات اس کی نسبت موجود ہیں۔ امام بخاری نے
باب باندھا ہے۔

"القضاء واللعان في المسجد"

الا ان تکون من الزهدیات فیجوز الاکثارہ لان المساجد وضعت لذکر اللہ "

علامہ سفارینی شرح منظومتہ آلاداب میں لکھتے ہیں :-

قلت ومثل الزھدیات بلی اولی مافیھا مصلحۃ المسلمین عن ھجو اعداء اللہ وتحریض المومنین علی اتباع الحق والاجتناب عن السیئات

(جلد ۲ - ۲۵۸)

اور آنحضرت کے نماز صبح کے بعد مصلی پر کچھ عرصہ تک تشریف فرما رہنے والی روایت میں صحابہ نے کہا کہ

ہم لوگ نماز کے بعد ٹولیاں بنا کر بیٹھ جاتے تھے کہ عہد جاہلیت کے واقعات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم دیکھتے اور کبھی کبھی متبسم ہو جاتے اور ثوبان کی روایت متضمن منع انشاد شعر کہ

من رأیتموہ فینشد شعرا فی المسجد " الخ

تو بالاتفاق اس سے مقصود اشعار نصیب و معاشقہ و مطالبات جاہلیت ہیں نہ کہ نفس انشاد شعر۔

جمعاً بین الاحادیث

عہد نبوی میں مسجد ہی شفاخانہ کا کام دیتی تھی۔ امام بخاری نے باب باندھا ہے

باب الخیمۃ فی المسجد للمرضیٰ وغیرھم

جنگ خندق میں سعدؓ زخمی ہوئے تو آنحضرت صلعم نے مسجد میں خیمہ نصب کرا دیا

مسجد صرف نماز کے لئے ہے "

اُن سے پوچھنا چاہئے کہ فوجوں کی تیاری اور ترتیب اس کے لئے مالی اعانات کی فراہمی مفتوحہ بلاد کے انتظامات وغیرہ۔ ان کی اصلاح میں کس قسم کے کام ہیں۔ نماز یا غیر نماز۔ دینی یا سیاسی ؟ صریح و قاطع روایتیں موجود ہیں کہ یہ تمام امور مسجد ہی میں انجام پاتے تھے۔ حمایت و نصرت حق میں نظم و نثر کا پڑھنا۔ اور لوگوں کا جمع ہو کر سننا کس کا عمل ہے۔ لیکن معلوم ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت حسان بن ثابت اپنے قصائد سناتے تھے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور خوش ہو کر دعا دیتے۔

" اللھم ایدہ بروح القدس "

حسان نے اس پر ابو ہریرہ سے تصدیق چاہی۔ اور انھوں نے کہا سچ ہے امام بخاری نے اسی روایت سے جواز انشا و شعر فی المسجد کا استنباط کیا ہے اور اسکے لئے ایک باب باندھا ہے۔ اور ترمذی میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصب لحسان منبراً فی المسجد فیقوم علیہ لیھجوا الکفار "

یعنی آنحضرت صلعم حسان کے لئے مسجد میں ممبر رکھواتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کی ہجو میں اپنے اشعار سناتے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں۔

لا باس بانشاد شعر فی المسجد خال من سخف وھجاء للمسلمین " ثم قال والاولی صیانۃ عنھا

زبان میں ہر قول و فعل ذکر ہے اور معاملات خلافت نوع دولت و ہدایت و مصالح ہم و دفع جور و اعتدار اعدائے حق تو عین ذکر کے مدلول میں داخل ہے اور دلیل اس کی خود آنحضرت صلعم اور صحابہ و خلفائے راشدین کا عمارت مسجد کو تمام مقاصد ملیہ و اجتماعیہ صالحہ کے لئے بالاتفاق کام میں لانا ہے آنحضرت صلعم کے طرز عمل کے لئے گذشتہ اشارات کافی ہیں۔ صحابہؓ کرام کا جو حال رہا وہ اس باب میں سب سے زیادہ واضح و قاطع اور علی الخصوص اجتماعات حاضرہ کے لئے پوری طرح اسوۂ حسنہ ہے۔ اسلامی حکومت کی پارلیمنٹ ہمیشہ مسجد نبوی میں رہی یہی مشورہ گاہ اعیان ملت و اصحاب حل و عقد و عامۂ اہل اسلام تھی جس میں سارے ملکی و سیاسی و مالی معاملات فیصل ہوتے اور انجام پاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب کوئی اہم مشورہ طلب معاملہ پیش آتا تھا تو ایک آدمی مقرر تھا (غالباً موذن) جو شہر میں بایں الفاظ اعلان کرتا " الصلوٰۃ جامعۃ "
یہ سنتے ہی لوگ مسجد میں جمع ہونا شروع ہو جاتے۔ جب تمام لوگ آچکتے تو حضرت عمرؓ حاضرین کو مخاطب کرتے اور مشورہ طلب معاملہ کثرت رائے سے طے پاتا۔ (طبری مطبوعہ مصر جلد ۵-۱۵۲)

حضرت عمرؓ نے مہاجرین کی ایک خاص مجلس شوریٰ بھی قائم کی تھی جو اس عام مجلس کے علاوہ تھی۔ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ یہ مجلس ہمیشہ مسجد ہی میں منعقد ہوتی تھی۔ مجوسیوں کو اہل ذمہ قرار دینے کا مسئلہ اسی مجلس میں طے ہوا تھا۔

کان للمھاجرین مجلس فی المسجد مکان عمر یجلس معھم فیہ و یحدثھم

اور اسی میں رکھا تاکہ قریب رہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں بجز نماز کے اور کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ نہیں معلوم وہ اب حبشہ والی روایت کو سن کر کس قدر متعجب ہونگے ؟

امام بخاری نے تو ایک خاص باب ہی اس واقعہ کی بنا پر باندھ دیا۔

باب اصحاب الحراب فی المسجد

الحراب بالکسر جمع حربہ۔ نیچے حضرت عائشہؓ کی روایت لائے ہیں

لقد رأیت رسول اللہ صلعم یوماً علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون فی المسجد

دوسری روایت میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے اور بوجہ شہرت احتیاج ذکر نہیں۔ حافظ عسقلانی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

وفی بعض طرق ھذا الحدیث ان عمر انکر علیہم لعبہم فی المسجد فقال لہ النبی صلعم دعہم (فتح الباری مصری جلد اصفحہ ۲۵۷)

بلاشبہ ان واقعات میں بہت سے واقعات ایسے تھے جو اوائل میں عارضی طور پر احتیاجاً و توسعاً میں آئے اور اب بحالت اعتبار و التزام ان کو ضرور روکا جائے گا۔ مثلاً یہی آخری واقعہ۔ لیکن مقصود ان واقعات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ مسجد صرف نماز کے لئے ہے تو اس کو سوچ سمجھ کر کہنا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ اور جو بات اپنی ہوا و خواہش کے خلاف ہوئی اس کو جھٹ ناجائز تبلا دیا۔ یہ معلوم ہے کہ مسجد اللہ کی عبادت اور ذکر کے لئے ہے۔ لیکن مسجد کا نماز کے لئے ہونا کب سے مانع ہے کہ تبعاً دیگر مقاصد صالحہ و حقہ کے لئے استعمال میں لائی جائے ؟ اور ذکر کا مطلب ہے۔ لوگوں کو معلوم نہیں۔ قرآن کی

قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج میں بھی مل جاتا ہے۔ شاید اور کہیں نہ ملے۔ کیونکہ
کتاب کا موضوع خراج و مشورہ جزیہ وغیرہ محاصل مالیہ ہیں اور تقریباً تمام مالی مسائل
کا عملی انفصال حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا ہے۔ کتاب الخراج میں جابجا موجود ہے۔

ان عمرؓ جمیع ناسا فقال کذا وکذا ان
عمر شاور اصحاب النبی۔ ان عمرؓ استشار
الناس فقالوا کذا۔ جمع الناس ثم قام خطیبا
فقال۔ الخ

اور اسی طرح عام کتب آثار و تاریخ میں تو گو ان روایات میں اس کی صراحت
نہیں ہے کہ یہ تمام مجلسیں مسجد ہی میں ہوتی تھیں لیکن چونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے
کہ دار الشوریٰ اور دیوان مسجد نبوی ہی تھی، اس لئے ان تمام روایات میں ہر
روایت ما نحن بصدد ہ کے لئے مستقلاً دلیل و شاہد ہے۔

اصل یہ ہے کہ ساری مصیبت قلت و فقدان علم اور بلیغ نظر و فہم
کی ہے اور اسی نے ہر معاملہ علم اور ہر وادی عمل میں آفتیں برپا کر رکھی ہیں نظریں
کوتاہ ہو گئیں معلومات، سیاست، در سیاست و چند شروع کے اندر محدود ہے
دین میں فقاہت باقی نہ رہی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ایک بات کان میں پڑ گئی اور دنیا
جہان کا فیصلہ اسی سے دیا۔ اسی حالت کی نسبت کہا گیا ہے:۔

حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء!

لوگوں نے صرف یہ کہیں دیکھ لیا ہے کہ
"مسجد عبادت کے لئے ہے۔"

عما ينتهي اليه من امر الآفاق

(فتوح البلدان مطبوعہ لیڈن صفحہ ۴۰۷)

زہری حضرت ابن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ جب فارس سے مال غنیمت کا پانچواں حصہ حسب دستور مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مسجد میں رکھا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات بھر بعض صحابہ نے پاسبانی کی، دوسرے دن تمام مسلمان مسجد میں جمع ہوئے اور مال تقسیم کیا گیا۔ کتاب الخراج میں قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں:—

حدثني على ابن عبد الله عن الزهري عن سعيد بن المسيب قال لما قدم على عمر باخماس فارس قال والله لا يجنها سقف دون السماء حتى تقسمها بين الناس فامر بها فوضعت بين صفي المسجد وامر عبد الرحمن بن عوف وعبد الله بن ارقم فباتا عليها ثم غدا عمر رض عنه بالناس عليه "

(صفحہ ۲۷)

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفاء میں مسجد نبوی ہی تمام مجالس و جامع اور معاملات ملکی از قبیل تقسیم غنائم و تجہیز عیش و انفصال مہمات کی جگہ تھی۔ اس لئے روایات میں گو لفظ مسجد کی تصریح نہ ہو لیکن جہاں کہیں مجالس کے انعقاد و مباحثہ و خطبات و مذاکرہ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، مقصود اس سے یہی ہے کہ مسجد ہی میں وہ سب کچھ ہوا حضرت عمرؓ کی مجالس ملکی کا جس قدر حال

کو تحریک ملتی ہے۔ اس لئے آپ نے اس کو مسجد میں جائز رکھا اور مہلب نے کہا کہ مسجد بنائی گئی ہے جماعت اہل اسلام کے فائدے کے لئے پس ایسے کام جو اسلام اور مسلمانوں کے فائدہ کیلئے ہوں اس میں جائز ہوں گے

اوپر گذر چکا ہے کہ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے

"الاغتسال اذا اسلم و ربط الاسیر فی المسجد

اس ترجمہ باب کے اصل نسخہ بخاری میں ہونے نہ ہونے کی نسبت اختلافات ہیں۔ اور بصورت اثبات اس ترجمہ کے ربط و مطابقت کی نسبت شارحین نے بحثیں کی ہیں۔ اسی سلسلہ میں حافظ موصوف لکھتے ہیں۔

وادعی ابن المیزان ترجمۃ ھذا الباب ذکر البیع والشراء فی المسجد

قال و مطابقتھا بقصۃ ثمامۃ ان من تخیل منع ذلک اخذہ من عموم قولہ انما بنیت المساجد لذکر اللہ رواہ البخاری ان ھذا العموم مخصوص باشیاء غیر ذلک منھا ربط الاسیر فی المسجد فاذا جاء ذلک للمصلحۃ فکذالک یجوز البیع والشراء للمصلحۃ فی المسجد (۲۶۲)

یعنی ابن منیر نے اس کی نسبت یہ کہا ہے کہ دراصل اس باب کا ترجمہ متعلق ہے ذکر بیع والشراء فی المسجد سے اور قصہ ثمامہ ہے اس کی مطابقت یوں ہے کہ

لیکن نہ تو اس کا مطلب سمجھا ہے اور نہ سمجھنے کا انتظار رہے۔

نصب حبشۃ و اصحاب الحراب

والی روایت اوپر گذر چکی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے مسجد نبوی کے صحن میں ایک مرتبہ حبشی ہتھیاروں کے ساتھ اپنا ناچ اور کرتب دکھلاتے تھے۔ جو در اصل ایک طرح کی قومی ورزش ہے۔ آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ کو حجرہ کے دروازے سے ان کا کھیل دکھایا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنا دست مبارک سامنے کر دیا تھا۔ اس پہ حضرت عائشہؓ جھانک کے دیکھتی رہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو روکنا چاہا تھا کہ مسجد میں کھیل کود نہ کرو، مگر آپ نے فرمایا کہ نہ روکو، کھیلنے دو۔ کما مر سابقاً۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ "فیہ جواز ذلک فی المسجد"

یعنی اس سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنا مسجد میں جائز ہے۔

"قال واللعب بالحراب لیس لعبا مجردا بل فیہ تدریب الشجعان علی مواقع الحروب والاستعداد للعدو۔ وقال المہلب المسجد موضوع لأمر جماعۃ المسلمین فما کان الاعمال یجمع منفعۃ الدین واھلہ جاز فیہ

(فتح ج ۲)

یعنی ہتھیاروں کے ساتھ کھیل محض کھیل ہی نہیں بلکہ ایک طرح کی مردانہ اور جنگی ورزش ہے۔ جس سے دشمن کے مقابلہ کی استعداد بڑھتی اور شجاعت و ہمت

" ذکر اللہ" اور اصل موضوع بنا رمسجد میں داخل ہیں جو قرآن حکیم نے خطبۂ وعظ جمعہ پر" ذکر" کا اطلاق کیا ہے۔"

اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع۔"

سب نے اتفاق کیا ہے کہ یہاں "ذکر اللہ" سے مقصود خطبۂ جمعہ ہے نہ کہ صلواۃ اور اسی لئے

" وذروا البیع "

کے حکم کی تعمیل بمجرد سماع نداء (اذان) واجب ہے نہ کہ ہنگام قیام صلواۃ۔ اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم کے جن خطبات جمعہ کو اللہ نے ذکر اللہ فرمایا ان میں صرف یہی نہیں ہوتا تھا کہ "موت کو یاد کرو اور روتے رہو۔" جیسا کہ اب ہو رہا ہے۔ بلکہ ان میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا جاتا تھا جن کو آجکل جدید تقسیم اعمال انسانیہ میں" دنیوی معاملات" قرار دیا جاتا ہے۔ جب کبھی اسلام اور مسلمانوں کے مصالح دینی و دنیاوی کی کوئی بات پیش آگئی ہے تو آپ نے جمعہ کے دن خاص طور پر اسی کی نسبت خطبہ دیا ہے۔ ایسے ہی خطبات خلفائے راشدین کے ہوتے تھے۔ میں نے گذشتہ سال ایک رسالہ مقاصد و احکام جمعہ میں لکھا ہے۔ اس میں خطبہ جمعہ کی حقیقت اور اس بارے میں ہدی نبوت و اسوۂ حسنہ خلفاء راشدین کو نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے۔ اگر نوبت طبع و توزیع کی آئی تو انشاء اللہ اس باب میں قانع و قاطع ہوگا۔

جس کسی نے ذکر بیع و شراء کو ممنوع خیال کیا تو اسی بناء پر کہ

انما بنیت المساجد لذکر اللہ

کے عموم پر اس کی نظر گئی، یعنی اس نے خیال کیا کہ جب مسجدیں صرف اللہ کے ذکر کے لئے موضوع ہیں تو پھر بیع و شراء کا ذکر اذکار اس میں کیوں جائز ہو؟ پس امام بخاری نے اس شبہ کو وا کرنا چاہا۔ اور دکھلانا چاہا کہ۔

"انما بنیا المساجد لذکر اللہ

کے حکم عام کے لئے تخصیص بہت سی باتوں میں ثابت ہے۔ از انجملہ یہ کہ قیدی کو مسجد میں باندھنا اور رکھنا جائز ہے۔ اور جب بر بنا مصلحت یہ بات جائز ہوئی تو ذکر بیع و شراء بر بناء مصلحت کیوں جائز نہ ہو؟ انتہا یہاں اس سے کوئی کہ اب اس باب کے ترجمہ و مطابقت روایت کی نسبت یہ توجیہہ کہاں تک درست ہے حافظ ابن حجر کہتے ہیں — ولا یخفی ما فیہ من تکلف"

مقصود اس قول کی نقل کرنے سے یہ دکھلانا ہے کہ آئمہ فقہ و حدیث نے

"انما بنیت المساجد مما بنیت لہ" اور لذکر اللہ

کا مطلب کیا سمجھا ہے؟ اور ابن منیر کے قول سے ضمناً یہ حقیقت واضح ہو گئی۔

"در اصل" انما بنیت المساجد لما بنیت لہ اور "بنیت لذکر اللہ" کو اگر عام و مطلق بھی مان لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

لما بنیت لہ" ذکر اللہ

کا صحیح مطلب سمجھ لینا چاہیئے وہ ساری باتیں جو آنحضرت صلعم و خلفائے راشدین نے مسجد میں کیں اور وہ اکثر امور جن سے آج کل مدعیان علم و حفظ شریعت روک رہے ہیں

کی جگہ نائماً ہے اور حاتم کی روایت میں کنت مصطجعا ہے یعنی سو رہا تھا) کہ یکایک مجھ پر کسی نے کنکری پھینکی۔ دیکھا تو عمر بن الخطاب ہیں۔ انہوں نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کیا کہ میرے پاس بلواؤ۔ جب وہ آئے تو ان سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ یا کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا طائف کے۔ حضرت عمر نے کہا:۔

لو کنتما اھل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ اوپر گذر چکا ہے۔ اس کے بعد دوسری روایت عبد اللہ بن کعب کی لائے ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کعب بن مالک رضؓ اور ان کے ایک مقروض مسجد میں اپنے قرضہ کی نسبت بات چیت کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ چلا چلا کر باتیں کرنے لگے اور ان کی آواز آنحضرتؐ نے اپنے حجرہ میں سن لی۔ پس آپ نکلے اور کعب کو اشارہ کیا کہ اس قدر اپنے قرض میں سے چھوڑ دو الخ " ان دونوں روائیتوں کو اس باب میں امام بخاری نے اس لئے جمع کیا کہ مسئلہ کے دونوں پہلو منع و جواز کے واضح کرنا چاہتے تھے۔

" و ھذا من کمال و قتہ استنباط

حافظ عسقلانی لکھتے ہیں:۔

اشار بالترجمۃ الی الخلاف فی ذلک فقد کرہ مالک مطلقا سواء کان فی المعلمہ

رفع الصوت فی المساجد و حضرت عمرؓ کی روایت کی تشریح

بعض حضرات نے اس مسئلہ میں مجتہدانہ استنباط و دقائق آفرینی کی بھی نمائش کرنی چاہی ہے۔ ایک صاحب لکھتے ہیں کہ جب مسجد میں پکار کر بات کرنے سے بھی روک دیا گیا کہ احترام مسجد کے خلاف ہے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے دو شخصوں سے کہا۔ اگر تم شہر کے باشندے ہوتے، مسافر نہ ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔ تم مسجد رسول اللہ میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔" تو پھر اس طرح کے "مخلوط جلسے" اور تقریر و بحث کا ہنگامہ کب جائز ہو سکتا ہے۔؟" حقیقت یہ ہے کہ آج کل مذہبی مسائل کی نسبت جس قدر خامہ فرسائیاں کی جا رہی ہیں۔ ان سے اور تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ صرف یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے علمی تنزل کے ماتم گسار ہیں۔ ان کے لئے درد و غم اور حسرت و اندوہ کا ایک نیا سامان بڑھ جاتا ہے۔ اوّل تو "مخلوط" اور غیر مخلوط مجالس کی جدید تقسیم سے اصول فقہ میں جو اضافہ کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں وہ کس نور الانوار اور تلویح سے ماخوذ ہے؟ پھر کاش "رفع الصوت فی المسجد اور حضرت عمرؓ والی روایت کا مطلب کس متداول شرح کی مدد سے سمجھ لیا ہوتا۔ امام بخاری نے صحیح میں باب باندھا ہے "مسجد میں آواز بلند کرنے کا حکم" اور اس میں دو روایتیں دی ہیں۔ پہلی روایت یہی حضرت عمرؓ والی ہے سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا (ایک اور روایت میں قائماً

تھا جو یقیناً صحیح معنوں میں دنیوی معاملہ ہے۔

باقی رہی حدیثِ عمرؓ تو گو حافظ موصوف کی عبارت نے اس کا محل واضح کر دیا۔ لیکن ایک نہایت اہم پہلو باقی رہ گیا ہے حضرت عمرؓ نے طائف کے آدمیوں سے فرمایا۔

ترفعانِ اصواتکما فی مسجد رسول اللہ

یہ نہیں کہا کہ

فی المسجد

یعنی خاص طور پر مسجد رسول اللہ صلعم کا لفظ فرمایا۔ صرف مسجد نہیں کہا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی زجر و تنبیہ اس بنا پر نہ تھی کہ مسجد میں تم نے آواز کیوں بلند کی۔ بلکہ اس لئے تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بے ادبانہ چیختے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی۔ بنیاد اس کی یہ ہے کہ اللہ نے حضور میں بے ادبانہ آواز بلند نہ کریں۔

لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی و لاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرون۔

کیونکہ قطع نظر تہذیب کلام کے یہ عادت اس ادب عظیم اور توقیر و تعزیر رسول کے خلاف تھی جو بحکم توقیرو تعزیز رده امتہ، بلکہ جمیع نوع انسان پر فرض ہے کہ جس کے بغیر

اطیعوا اللہ وَ اطیعوا الرسول

کا معاملہ محکم نہیں ہو سکتا، اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ آپ

ام فی غیرہ وقرن غیرہ بین ما یتعلق
بغرض دینی او نفع دنیوی وبین مالا فائدۃ
فیہ وساق البخاری فی الباب حدیث عمر
الدال علی المنع وحدیث کعب الدال
علی عدلہ اشارۃ منہ علی المنع فی مالا
منفعۃ فیہ وعدم فی ما یلجی الضرورۃ
الیہ (١/٢٦٥)

یعنی ترجمہ باب میں اشارہ ہے اس اختلاف کا جو اس باب میں واقع ہو۔ امام مالک مطلقاً رفع الصوت کو مکروہ کہتے ہیں۔ خواہ درس وتدریس علم ہی میں کیوں نہ ہو اور دیگر آئمہ نے اس بارے میں تفریق و تفصیل کی ہے، ان کے نزدیک اگر کسی ایسی بات کے لئے رفع صوت ہو جس میں کوئی دینی یا دنیوی منفعت ہو تو جائز ہے۔ والا نہیں اور امام بخاری اس باب میں حدیث عمرؓ لائے ہیں۔ منع کے لئے اور حدیث کعبؓ لائے ہیں جواز کے لئے اور اس طرح واضح کیا ہے کہ منع اس حالت میں ہے جبکہ بیکار اور لغو باتیں پکار کر کی جائیں لیکن اگر کسی ضرورت کی بنا پر ہو تو جائز ہے۔

یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد کے مشورہ و مجالس مسجد میں جائز نہیں۔ تو قطع نظر حقیقت اطلاق الفاظ دین و دنیا، وہ اس جملہ پر غور کریں۔

ما یتعلق بغرض دینی او نفع دنیوی

اور حدیث کعب پر کہ در اصل رفع صوت لین دین کے معاملہ کے لئے

بن عمر اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم کی نسبت منقول ہے کہ مسجد نبوی
میں لوگوں کو پکار پکار کر بات کرتے دیکھتے تو سخت خشمگیں ہوتے اور فرماتے
تمہیں شرم نہیں آتی کہ قبر مطہر کے سامنے شور و غل مچا رہے ہو حالانکہ اللہ کہتا ہے

لا ترفعوا اصواتکم الخ

یعنی اس آیہ کریمہ سے منع رفع صوت بحضور رسول پر بعد وفات رسول میں استدلال
کیا گیا، اسی طرح حضرت امام مالکؒ کا واقعہ معلوم ہے کہ ایک شخص کو پکار پکار
کر بات کرتے ہوئے دیکھا تو یہی آیہ کریمہ پڑھی اور اس پر سخت غضبناک
ہوئے۔ حکاہ ابن الجوزی پس حضرت عمرؓ کا خشمگیں ہونا اور طائف کے دو
آدمیوں کو زجر فرمانا بھی اسی قبیل سے تھا۔ اور اس لئے آپ نے فرمایا۔

فی مسجد رسول اللہ

یعنی رسول اللہ کی طرف نسبت دے کر روکا، صرف لفظ مسجد نہیں فرمایا۔ اس
سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں نہی عمر خاص مسجد نبوی سے تعلق رکھتی ہے۔
علت اس کی دوسری اور غیر مشترک ہے، اگرچہ دیگر ادلہ سے یہ ثابت ہے
کہ عام مساجد میں بھی بلا کسی ضرورت دینی و دنیوی۔ دنیا داری کی صحبتوں کی
جگہ ٹھہرا لینا قطعاً ممنوع ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کا اخراج مسجد سے واجب ہے۔
اور تائید اس کی اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ
میں مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر و توسیع کی تو مسجد کے ایک گوشہ میں ایک چبوترہ بنایا
اور لوگوں سے کہا کہ جس کسی کو بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنا ہو یا شعر و اشعار
وغیرہ کے لئے صحبت مقصود ہو تو اس کے لئے یہ جگہ ہے۔ سمہودی نے

کے سامنے آتے تو مجسم تادب و تعظیم اور سکوت و خشوع کی تصویر ہوتے۔ آنکھیں زمین میں گڑی رہتیں اور لب کھلتے تو آواز مشکل سے نکلتی۔ علی الخصوص حضرت عمرؓ کا تو اس بارے میں کچھ عجیب حال تھا، چونکہ اس آیہ کریمہ کا نزول جس پر ہوا تھا اس کا تعلق خود انہی سے تھا۔ اور خلقاً ان کی آواز تھی بھی بلند۔ اس لئے نزول آیتہ کے بعد ان کے خفض و نرمی صوت بحضرت رسول اللہ صلعم کا یہ حال ہو گیا کہ

اذا حدث النبی بحدیث حدثہ کاخی السرار لم یسمعہ حتی یستفہمہ کما رواہ البخاری فی کتاب التفسیر والاعتصام بالسنۃ عن ابن ابی ملیکہ ۵

جب آپ کا وصال ہو گیا تو گو آپ کا ہیکل جسمی دنیا کی آنکھوں سے چھپ گیا۔ لیکن انبیاء کرام کی حیات معنوی موت کے دسترس سے باہر ہے۔

" یصلون فی قبورھم اور

صلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث ماکنتم (ابو داؤد عن ابی ہریرہ)

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

پس:- ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض

کا حکم بدستور باقی رہا۔ اسی لئے صحابہ کرام کا آپ کی وفات کے بعد بھی یہ حال رہا کہ مسجد نبوی میں قبر مطہر کے حضور کبھی بلند آواز سے بات چیت نہ کرتے اور تمام احکام ادب و حقوق رسول کو پورا پورا ملحوظ رکھتے۔ حضرت عثمانؓ، عبداللہ

بعنوان فقہ و احکام، ورنہ ظاہر ہے کہ عام طور پر مساجد میں درس و تدریس علم و رفع الصوت اذا کان للنصح والتذکیر کو وہ کیونکر مکروہ قرار دے سکتے ہیں۔ جبکہ اس کثرت کے اجماعی شواہد نصاً و عملاً اس کے خلاف موجود ہیں۔ ؟ آنحضرتؐ اور خلفائے راشدین نے غنائم تک مسجدیں تقسیم کئے جو مستلزم رفع صوت و قال و قیل ہے اور درس و تدریس علم کی تو کوئی جگہ بجز مسجد نبوی کے آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھی ہی نہیں حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں حکم دیا کہ تمام بلاد مفتوحہ میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور ساتھ ہی ان میں تعلیم و تدریس قرآن و سنت کا بھی انتظام ہو۔ پھر ان مدارس کے لئے فقہا و قرا، صحابہ بھیجے گئے۔ شام کے مدارس کے لئے حضرت ابو الدرداء، حضرت ابن کعب معاذ بن جبل وغیرہ ہمراہ بھیجے گئے تھے، حافظ ذہبی نے ابو الدرداء کے حال میں لکھا ہے کہ جامع دمشق میں تعلیم دیتے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ مسجد میں نماز صبح کے بعد لوگ جمع ہوتے، دس دس آدمیوں کے حلقہ کی تعلیم کے لئے ایک قاری مقرر ہوتا۔ خود ٹہلتے رہتے اور حلقہ کی آواز پر کان لگائے رہتے، جب ضرورت ہوتی تو ٹوکتے۔ ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو سولہ سو طالب علم مسجد میں حاضر تھے۔ !

یہی حافظ ذہبی حضرت معاذ بن جبل کے ترجمہ میں ابو مسلم خولانی کی روایت نقل کرتے ہیں کہ :-

غرضیکہ مساجد کا مدارس و بیوت علم ہونا ایک ایسی تاریخی و عملی

خلاصۃ الوفا میں یہ واقعہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ مسجد میں رفع صوت اور مذاکرہ و مجالست کے مخالف نہ تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لئے خاص طور پر اہتمام کیوں کرتے۔؟ بلکہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ مسجد رسول میں بحضور قبر رسول چلا کر بلا ضرورت بات کی جائے اور اس طرح مقام رسالت کی تعظیم و احترام مطلوب شارع سے بے پروائی و غفلت کی بنیاد پڑے اس لئے ایک گوشہ میں چبوترہ بنا دیا کہ لوگوں کی نماز میں خلل نہیں پڑے گا۔ اور بوجہ بُعد وہ صورت بھی باقی نہیں رہے گی۔ جو حضور و قریب قبر مبارک میں رفع صوت سے پیدا ہو جاتی ہے، اور یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ حضرت امام مالک کا مذہب اس بارے میں کیا ہے ؟ تو یہ حافظ عسقلانی نے لکھا ہے کہ مطلقاً منع حتیٰ کہ درس و تدریس علم کے لئے بھی تو در اصل یہ صرف مسجد نبوی کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام مالک کا یہ مذہب نہیں ہے کہ عام طور پر تمام مساجد میں درس و تدریس علم کے لئے بھی رفع صوت نہ ہو، بلاشبہ ان سے منقول ہے کہ

" انا اکرہ ذلک ولا اری فیہ خیرا۔"

یعنی میں مکروہ رکھتا ہوں کہ مسجد میں درس و تدریس علم ہو، لیکن یہ متعلق ہے صرف مسجد نبوی سے اور جس سوال کے متعلق تھا، اور اسی لئے وہ ہمیشہ اپنے مکان پر درس حدیث و فقہ دیتے رہے اور اسی بنا پر مورخین نے ان کے طریق کو کمال ادب و تعظیم رسول کے سلسلے میں بیان کیا ہے۔ نہ کہ

یہاں صلواۃ فی المحراب کے مسئلہ سے بحث نہیں صرف غلط فہمی کی ایک نظیر دکھلانا مقصود ہے۔

البتہ اگر آج کل کے علماء و واعظین کی مجالس قصص وحکایات و جدل فی المسجد و حکابرات کی نسبت سوال کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ وہ نہ صرف رفع الصوت ممنوع میں داخل ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ زمین کے ہر حصہ اور عمارت کی ہر چھت کے نیچے ناجائز ہیں۔ صرف مسجد ہی پر موقوف نہیں۔ عین ممبر مسجد پر بیٹھ کر باہمدگر و شتم و تکفیر و تفسیق، اور تلعن و تنابز بالالقاب کیا جاتا ہے۔ جھوٹے قصے اور حکائیتیں اور مکذوب و موضوع روائیتیں سنائی جاتی ہیں۔ ٹھیک ٹھیک مطربوں اور گویّوں کی طرح گٹکریاں لے لے کر گایا جاتا ہے۔ محض مراء و عدل اور تنازعے فی الدین کی نیت سے مناظروں اور مباحثوں کی مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں اور درندوں کی طرح امامت و ممبر نشینی کا ایک مدعی دوسرے کی گردن پر خونخوارانہ ہاتھ بڑھاتا ہے یہ ساری باتیں تو مسلمانوں کے لئے جائز ہیں۔ بلکہ عین مقاصد مسجد میں داخل، لیکن اگر مقاصد صالحہ و حسنہ سے غیر اوقات صلواۃ میں کوئی مجمع منعقد ہو اور اس میں نصح بلاد و زہاد ملت و جلب مصالح و رفع مقاصد کے لئے تقریریں کی جائیں تو بخاری کی روایت منع رفع الصوت والی فوراً یاد آتی ہے۔!

یکبر دان لیشرب من فضہ
وتیبق الفضۃ ان نالعا

حقیقت ہے کہ حاجتِ دلیل و بیان نہیں۔ پھر حضرت امام مالک کیونکہ کہہ سکتے ہیں کہ مساجد میں رفع صوت ہر حال میں مکروہ ہے۔؟ علی الخصوص جبکہ ان کے فقہ و ابوب کا زیادہ تر دار و مدار حضرت عمرؓ کے فتاویٰ و فرامین خلافت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علوم پر ہے۔ اصل یہ ہے کہ بہت سی غلطیاں خاص مقامات و حالات کے حکم و فتاویٰ کو عام سمجھ لینے سے بھی متاخرین میں پیدا ہوگئی ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خاص جامع کوفہ کی نسبت فرمایا کہ:۔

محراب والے حصّے میں نماز مکروہ ہے۔

کیونکہ ان کے نزدیک وہ ٹکڑا منصوبہ تھا۔ لوگوں نے اس سے عام طور پر کراہیت صلواۃ المحراب کا مسئلہ پیدا کرلیا۔ قازانی[1] نے بدائع میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور مثال میں کہا ہے کہ:۔

"اسی طرح امام مالک کی بہت سی باتیں جو خاص مدینہ کی نسبت تھیں عام سمجھ لی گئیں۔"

---

[1] صاحب بدائع الصنائع کے لقب کی نسبت لوگوں کو بہت تشویش ہوئی ہے۔ صاحب تراجم حنفیہ نے لکھا ہے کہ اصل میں "کاستانی" ہوگا کاشان کی طرف منسوب حالانکہ بات صاف تھی۔ صاحب بدائع نسلاً تاتاری ہیں اور قاز بن تاتار کے رہنے والے تھے جو آج کل روسی ممالک میں داخل ہے۔ اصل میں کاژان ہے۔ عربی میں قازان بولنے لگے۔ منہ۔

کے معاملہ کے بغیر تو ہمارے علما کا کوئی مناظرہ ہی نہیں، کوئی اس وقت جاکر اللہ کی عبادت گاہ کو دیکھے تو بھنگڑخانوں اور خرابات کے ہنگامے اس کے شور و غل کے آگے مات ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ جدل لسانی کا خاتمہ عموماً جدل بالید والحرب پر ہوتا ہے، اور بسا اوقات نوبت مقدموں اور فوجداریوں تک پہنچتی ہے یہ ساری باتیں آج کل کے مسلمانوں کے مذہب میں جائز ہیں، بلکہ از قبیل اعمال متبرکہ و شرعیہ علماء اسلام نہ ان کا رفع صوت ممنوع ہے۔ نہ گالی گلوچ اور سر پھٹول۔ لیکن مسجد میں اصلاح ملت و بلاد اور حفظ حقوق ملک و قوم کے لئے جمع ہونا جائز نہیں۔ کیونکہ مسجد میں پکار کر بات نہ کرنی چاہیئے۔ حضرت عمرؓ فاروق نے اس سے روک دیا تھا — !

انا للہ وانا الیہ راجعون

کیا اس سے بھی بڑھ کر

فیبقی ناس جہال یستفتو نیفتون برائھم فیضلون و یضلون

(رواۃ البخاری عن ابن عمر)

کا مصداق عہد جہل اور عصر فساد ہو سکتا ہے۔ جس کا مسلمانوں کو بھی انتظار ہے؟!

فقد جاء اشاطھا فانی لھم
اذ جاء تھم ذکراھم!

تمام اہل علم وسلف نے اتفاق کیا کہ

جدل وتنازع فی الدین نہ صرف ممنوع ہے بلکہ منجملہ شدید ترین وسائل ضلالتہ امتہ وتحریف شریعت وصد ہدی کے ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا

ما ضل قوم بعد ھدی کانو علیہ الا اوتوا الجدل

کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہی میں نہیں پڑی، مگر جدل سے

پھر یہ آیت پڑھی:۔

ما ضربوہ لک الا جدلا بل ھم قوم خصمون

(رواۃ احمد والترمذی وابن ماجہ عن ابن امام)

تو بدقسمتی سے جدل وتنازع وتعمق فی الدین کا دروازہ اس امت پر بھی کھلا اور اگر آج علوم وعددنات مقبولہ امت کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ بھی اس فتنہ سے خالی نہیں۔ لیکن ضلالت جدل وتنازع کا عملاً بدترین مقام ونمونہ وہ ہے جو آجکل مناظرہ ومباحثہ مذہبی اور احقاق حق وتحقیق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اس کی مجلسیں عموماً مسجدہی میں منعقد ہوا کرتی ہیں۔ پھر ان مجلسوں میں جو کچھ ہوا کرتا ہے معلوم ہے۔ زبان کی کوئی معصیت، اور حق کو صداقت وقوع میں آنے والا کوئی فسق ایسا نہیں ہے جو ان بھیڑوں میں بمصداق دنی نادیکرا المنکر، علانیہ نہ ہوتا ہو، اور مجرد رفع صوت کا تو ذکر کیا پوچھنا؟

"توگوئی خرد سان شاطر بچنگ۔"

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا خط

لکھنؤ کے بعض اخبارات میں اس معاملہ پر رائے زنی کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ جناب عبد الباری فرنگی محلی بھی اس سے متفق ہیں یعنی عدم جواز دخول ہنود فی المسجد سے لیکن اس بارے میں ان کا جو خط شائع کیا ہے۔ اس میں جواز عدم جواز کا کوئی تذکرہ نہیں، صرف یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کو ہر معاملہ میں چاہیئے کہ احکام شرع کا اتباع کریں، اور اپنے اجتماعات وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہ کریں جو شریعت کے خلاف ہو، تو یہ حق ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں۔ تعجب ہے کہ اس اخبار کے ایڈیٹر نے مولانا ممدوح کے اس خط کو عدم جواز کے ثبوت میں کیوں پیش کیا؟ میرے لئے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ مولانا ممدوح ایک ایسے معاملہ کو ناجائز بتلادیں جس کے جواز پر تمام اہل علم کا اتفاق ہو چکا ہے۔

تحقیق نماز جنازہ غائب کا وعدہ

بعض اخبارات نے اس سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ
"لوگوں نے مقتولین حادثۂ دہلی کے لئے نماز جنازہ غائب پڑھی
جو ہمارے مذہب میں جائز نہیں ۔"
سو اس کی تحقیق بھی ضروری ہے، لیکن یہ تحریر بلا قصد بہت
طولانی ہو گئی۔ اس لئے اس بحث کو علیحدہ کر دیا گیا۔ کہ مستقلاً شائع
ہو جائے گا ـــــ !
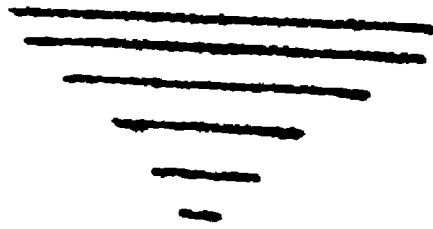
انقلاب حالات و خاتمہ

خاتمہ سخن میں ایک معاملہ کی طرف اشارہ ناگزیر ہے۔ یہ معلوم ہے کہ ہر گروہ کے دائرہ نظر و فکر کے حدود ہیں۔ ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے۔ ہر گوشہ علم و عمل میں ساری مصیبتیں اسی اعتداد و تجاوز عن الحدود سے پیش آتی ہیں۔ اخبار نویسی ایک عمدہ اور ضروری کام ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ ہر اخبار نویس تضاد و افتاء کا کام شروع کردے۔ اس کام کو صرف ان لوگوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے جن کا یہ کام ہے۔ اور جو اس کی صلاحیت رکھتے ہیں

ایک زمانہ تھا جب شریعت و قرآن سے اغماض و اعراض روشن خیالی اور سیاست دانی کی دلیل سمجھی جاتی تھی، لیکن اللہ نے اپنے بعض بندوں کو توفیق دی اور انہوں نے تقدیم و اتباع شریعت فی جمیع الاحوال والاعمال کی صدا سے دعوت بلند کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت پلٹی اور شریعت و قرآن کے ذکر و استشہاد میں وہی مقبولیت و محبوبیت

اور علی الخصوص فقہا حنفیہ کا مسلک تو اس میں معروف و مسلّم ہے مجھ کو یقین ہے کہ انشا اللہ ان کا مسلک بھی یہی ہوگا اور اختلاف طریق اصول الی الحق میں ہو سکتا ہے۔ مگر حق میں نہیں۔ اور تعدّد در رجال و افراد میں ہے۔ حقیقت میں نہیں ہو سکتا۔ لہذا معلوم ہے کہ اصل کار نصوص و بصائر کے ہے اور وہ جب موجود ہیں تو پھر اور کسی بات کی احتیاج نہیں۔

کا تماشا گاہ نہ ہو۔ علی الخصوص اخبارات کا تو یہ حال
ہے کہ ان کا ہر نمبر کوئی نہ کوئی نئی مثال ضرور اپنے
ساتھ لاتا ہے، کوئی صاحب ایک لمبا چوڑا مضمون
شائع کرتے ہیں۔ کہ احیاء ملت بذریعہ احیاء شریعت
کرنی چاہیئے۔ اس کی صورت یہ ہے۔ کہ علماء اسلام
فرائض و واجبات شریعت میں چند نئی دفعات
کا اضافہ کردیں اور آپس میں بحث کرکے فتوے
دے دیں کہ نماز روزہ کی طرح ایجوکیشنل کانفرنس
اور [illegible] ۔ اہلحدیث کانفرنس کی شرکت بھی شرعاً
فرض ہے۔ اور زکوٰۃ کی طرح انجمنوں کی بدعتوں اور بدعی
محافل کا سروسامان کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیاسی
مقاصد و مصالح سے ایسا کرنا بہت ضروری
ہے یہ وقت بدعت و سنت کے جھگڑے کا نہیں ہے
ان کی تحقیق میں مسلمانوں کی پولیٹکل ترقی بغیر بدعات
و فسوق کے اجتماع کے ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک
صاحب تمام اخباروں میں اعلانات شائع کرتے
ہیں۔ کہ اسلام کی قرار دی ہوئی دو عیدیں، اور
مسلمانوں کی گڑھی ہوئی سدہا اعیاد و مواسم بھی قوم کی ترقی
کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے ایک نئی عید کا اہتمام

پیدا ہوگئی جیسی پہلے اعراض و انکار میں تھی اور وہی تحریریں عوام و خواص میں مقبول ہونے لگیں۔ جو مذہبی رنگ میں لکھی گئی ہوں، لیکن اب ایک دوسرا فتنہ پیدا ہوگیا ہے، پہلے اعراض و غفلت تھی۔ اب ادعا و تکلم و تحکم بغیر علم ہے پہلے کوئی شریعت کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ اب ہر شخص چاہتا ہے کہ شریعت کے بغیر بات نہ کرے۔ اگرچہ شریعت کے علم و عمل سے بالکل بے بہرہ ہو، پہلے قرآن کا نام لیتے ہوئے بھی لوگوں کو شرم آتی تھی کہ کہیں تہذیب و تعلیم کی برادری سے خارج نہ کر دیئے جائیں۔ اب ہر شخص جو قلم پکڑ سکتا ہے، چاہتا ہے کہ ہر تحریر میں قرآن کی ایک دو آئتیں کسی نہ کسی طرح کھپا دے۔ اگرچہ لفظاً تصحیف، معنیً تحریف اور اشتہاراً غیر مربوط ہی کیوں نہ ہو، اور یہ فتنہ پہلے فتنہ سے بھی اشد و افحر ہے۔

تلک فتنۃ الدنیا و ھذا فتنۃ الدین

پہلا فتنہ عمل تھا جس کا نتیجہ فسق ہے اور یہ فتنہ علم و احکام ہے۔ جس کا نتیجہ تحریف، شریعت اور

منھم امیون لا یعلمون الا امانی

کا حاکم و آمر شریعت و ملت بن جاتا ہے۔ آج مسلمانوں کا کوئی اخبار، کوئی مجلس، کوئی کام ایسا نہیں جو اس فتنہ

من تراكم الهموم وكثرة البال وكان
الفراغ من تسويدها ضحى نهار السبت
لست بقيت من رجب المرجب سنه ۱۳۳۷ھ
حين كنت نيضا من البلاد محبوساً
فى رانچى وانا الفقير الى الله احمد كان الله
له وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

ختم شد

شروع کردینا چاہیئے ۔

دوسرے صاحب فتوی دیتے ہیں کہ مسجد میں "مخلوط" مجالس جائز نہیں، اور ہندوؤں کو مسجد کے مجمعوں میں بلانا تو اشد واکبر معصیت ہے ۔

وغیر ذلك من اعجاب کل ذی و ای برایہ والاعتصام بالبدعة والاحداث فی الدین

تو اس دین انارکی اور مذہبی طوائف الملوکی سے تو شاید وہی پہلی حالت غنیمت تھی ۔ شاید تبدیل حال و قیام امر کے لئے یہ درمیان کی بدنظمی اور بدحالی ضروری ہو ۔ اور ممکن ہے کہ اس شورش کے بعد اصلی سکون وامن نمودار ہو بہر حال حالات کی طرف سے تو بجز افزائش مدود اندوہ کے اور کوئی صدا نہیں اٹھتی ۔ الّا یہ کہ ہر حال میں اعتماد اللہ کے فضل وکرم اور بالآخر وعدہ نصرۃ و یاوری شریعت و حفظ و صیانتہ ملت مرحومہ پر ہے ۔

واللہ ناصر دینه و رافع علام سنة رسوله وحسبنا الله ونعم الوكيل

هذا آخر ما تيسر لی من تسويد هذا المقاله مع توزع المناظر وتشتت البال